UNIVERSAL
LIBRARY

OU_226608

UNIVERSAL
LIBRARY

نغمۂ الہام

کلامِ ربّانی

یعنی

شریمدبھگوت گیتا کا اردو منظوم ترجمہ

از

پنڈت نظرؔ سوہانوی

سینکڑوں سجدے تڑپتے ہیں جبینِ شوق میں
اے مقدّس خاک اے گوکل کے بُتخانے کی خاک
کھینچ لے اپنے نظرؔ کو اس طرح آغوش میں
تیرے ذرّوں میں سما جائے یہ سوہانے کی خاک

نظرؔ سوہانوی

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ
بغیر دستخط مصنف مال مسروقہ

کلامِ ربّانی

یعنے

علم معرفت اور فلسفہ کی لاثانی کتاب مقدس گیتا کے
ادق مسائل کا دلپسند اردو نظم میں آسان ترجمہ

از

سید القلم پنڈت یوگی راج صاحب نظر سوہانوی
مصنف
اہنسا کا اوتار۔ ساغرِ خونناب۔ شعلہ زار

حسب فرمائش
بابو کالی چرن داس اسکول ماسٹر ریلوے شیڈ غازی آباد

محبوب المطابع برقی پریس جامع مسجد دہلی

قیمت دو روپیہ

نذر

اے بنارس کے برہمن مالوی | اے مدن موہن منامن مالوی
اے صفاتِ مادہ سے دور دور | خاک کے ظلمت کدہ میں نورِ نور
بے نیازِ نفسِ امارہ ہے تو | بیاس و گوتم کا جگر پارہ ہے تو
ساحلِ رودِ جمن کا نے نواز | تیری چشمِ دل میں ہے جلوہ طراز
ہندوؤں کا درد تیرے دل میں ہے | تیرا ثانی کون اس محفل میں ہے

تیرا شیدا تیرا متوالا نظر | دل سے تجھ کو چاہنے والا نظر
جانتا ہے رازدانِ حق تجھے | مانتا ہے خاصِ شانِ حق تجھے
اس لئے باصد ادب صد انکسار | تیری خدمت میں ترا مدحت گذار

نذر کرتا ہے یہ ربانی کلام
زندۂ جاوید لافانی کلام

نظر سوہانوی

کرشن جل شانہٗ

دیباچہ

"اے نوریوں کے نور مجھ پہ کرم فرمائیے"

یہ التجا تھی آج سے تقریباً پچاس صدی پیشتر اُس عقیدت مند مرید کی زبان پر جسے بھارت والے۔ امریکہ والے۔ یورپ والے۔ الغرض دنیا بھر کے والے ارجن کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

کس کے سامنے ؟

اپنے دوست اپنے رشتہ دار اپنے محسن کے سامنے جبکو وہ کبھی کرشن کہتا تھا کبھی مدھوسودن۔

کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ کرشن میری طرح انسان ہے۔

وہ جانتا تھا۔ کہ

کرشن نے صرف اکیلے کرشن نے کنس کو سر دربار قتل کیا۔ جراسندھ جیسے جابر مہاراجہ کو ایک اشارے سے مروا ڈالا یدھشٹر کے یگیہ میں بھیشم نے درون نے تمام مہرشیوں اور عالموں نے اس کی فضیلت کا۔ اس کی علمیت کا، اس کی جنگجویانہ طاقت کا اعتراف کیا۔ اور جب کوروؤں کے دربار میں کرن نے شکنی نے دوشاسن اور دریودھن نے اسے صرف قاصد سمجھ کر گرفتار کرنا چاہا۔ تو ان سب کی آنکھیں اس کے آتشین جلال سے چندھیا گئیں

وہ خوب سمجھتا تھا کہ

میری ہر مصیبت ہر تکلیف کا رفیق صرف یہی کرشن ہے۔ جب یدھشٹر یگیہ کرتا ہے تو یہ میرے واسطے مہمانوں کے پاؤں دھو سکتا ہے، جب میں دشمنوں سے جنگ کرتا ہوں تو یہ میرا رتھ ہانک سکتا ہے۔ اور جب ظالم کورو۔ دروپدی کو سر دربار عریاں کرنا چاہتے ہیں، تو یہ اس کے لئے غیب سے ہزاروں لباس برسا سکتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ پاک عقیدت کی دلی گہرائیوں سے پیار کرتا ہوں۔

یہ سب جاننے پر بھی ارجن کا دل بے چین تھا، بیقرار تھا۔ وہ کرشن کو دیکھتا ہے۔ بار بار دیکھتا ہے۔ لیکن دل نہیں بھرتا۔

کیوں ؟

ایسا جمال کسی انسان کا نہیں۔ سورج کا نہیں چاند کا نہیں۔ یہ چلتا ہے تو کل مخلوق چلتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ ٹھہرتا ہے تو سیارے ستارے دریا سب ٹھہرے ہوئے دکھائی پڑتے ہیں۔ یہ ہنستا

ہے تو دنیا ہنستی ہے۔ ستارے ہنستے ہیں۔ پھول ہنستے ہیں۔ یہ طیش میں آتا ہے تو جہان والے۔ آسمان والے۔ نوری۔ ناری سب کانپتے ہیں۔ شفق آگ برساتی ہے۔ بجلی کڑکڑاتی ہے۔

اس پر بھی یہ انسان ہے۔ میرا دوست ہے۔ اور وہی **کرشن** ہے جو **بسدیو** کے ہاں پیدا ہوا **نند** کے گھر پلا۔ گائیں چراتا تھا۔ بانسری بجاتا تھا۔

میں کیوں نہ اس سے پوچھ لوں تو کون ہے۔ اے کرشن تو در اصل کون ہے؟ آنکھ تجھے انسانی لباس میں دیکھتی ہے مگر یہ مضطرب دل، بے چین دل نہیں مانتا۔ تو ضرور کوئی اور ہے جسے میں نہیں جانتا۔ مگر روح جانتی ہے۔ جسے آنکھ نہیں پہچانتی۔ مگر جان پہچانتی ہے۔

کیا پوچھ لوں؟ سچ مچ پوچھ لوں مگر یہ اپنے دل میں کیا کہے گا۔ دیوانہ پاگل بے شعور پچاس برس کے دوست کو پوچھتا ہے کہ تو کون ہے۔؟ خیر اب نہ سہی پھر کبھی سہی۔

یہ خیالات تھے جن سے **ارجن** کا دل بے قرار اور اس کی عقل کا دامن تار تار تھا، کہ اتنے میں مہابھارت کے جنگِ عظیم کا اعلان ہوتا ہے۔

کورکشیتر کا میدان ہے۔ ارجن ہے کرشن ہے۔ ایک کے ہاتھ میں تیر و کمان۔ ایک کے ہاتھ میں سفید گھوڑوں کی باگ۔ کرشن رتھ چلائے گا۔ ارجن تیر برسائے گا۔

تلواریں میانوں میں بیقرار تھیں اور تیر کمانوں پر۔ دنیا سونے والی تھی۔ قیامت ہونے والی تھی کہ رتھ میں بیٹھے ہوئے ارجن کی نگاہیں سامنے کی طرف اٹھیں بھیشم کو درون کو اور کرشن کو دیکھتا تھا کہ ادب نے ہاتھ تھام لئے کیونکہ ان میں ایک باپ۔ ایک استاد۔ ایک ماموں تھا۔

اور کیا دیکھا؟

ایک دردناک منظر، ایک جگر سوز نظارہ!! دل بیتاب ہو گیا۔ آنکھیں بھر آئیں۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ سامنے بھائی تھے، بھتیجے تھے، عزیز تھے، رشتہ دار تھے۔ آہ انھیں سے لڑنا ہوگا۔ ان کے سینے ہونگے۔ اور میرے تیر۔ ان کی گردنیں ہونگی اور میری شمشیر۔

رتھ سے نیچے اترا۔ تیر و کمان پھینک دئے۔ آہیں بھرتا ہوا کرشن سے بولا۔ میں ان کو نہیں مارونگا میں جنگ نہیں کروں گا۔ مجھے ایسی سلطنت نہیں چاہیئے۔ جو اپنے عزیزوں کا اپنے دوستوں کا خون بہا کر حاصل ہو۔

اے کرشن! میں نے آج تک تیرا حکم نہیں ٹالا۔ لیکن اب میں مجبور ہوں، معذور ہوں۔ میرے ہاتھوں کا بل چلا گیا۔ میرے پاؤں شل ہو گئے۔ کیونکہ میرے دل میں **بھیشم** اور **درون** سے عقیدت ہے۔ اور بھائی بندوں سے الفت و محبت۔

ارجن یہ درد بھری باتیں کہتا تھا اور روتا تھا۔ مگر کرشن سنتا تھا اور ہنستا تھا

اب ارجن سے نہ رہا گیا دل میں سوچنے لگا۔ کہ یہ عجیب انسان ہے۔ میں روتا ہوں یہ ہنستا ہے میں بیقرار ہوں مست و سرشار میری دردناک باتوں سے پتھر پگھل جاتے، پہاڑ گل جاتے، مگر اس پر کچھ اثر نہیں یہ جیسا پہلے تھا ویسا ہی اب ہے کیا یہ انسان نہیں؟ کیا اس کے پہلو میں دل نہیں؟ یہ اب

کبھی کہتا ہے دشمنوں سے لڑ۔ بھیشم کو مار۔ درون کو مار۔ بھائیوں کا خون کر۔ اپنے ہاتھ ان کے لہو میں بھر۔ ٹھیک ہے آج اس سے پوچھ لوں تو کون ہے؟ ایسے جمال والا۔ ایسے جلال والا تو کون ہے؟

ارجن کے دل میں یہی خیالات تھے کہ اتنے میں کرشن نے پھر کہا۔

ارجن! آ رہا ارجن! پیارے ارجن۔ افسوس نہ کر۔ تیر و کمان لے۔ اٹھ اور میرے حکم سے لڑائی کر۔

اب کیا تھا۔ ارجن کی بن آئی۔ صاف کہہ دیا۔ میں نہیں لڑونگا۔ اگر مجھے لڑوانا ہی ہے تو اے میرے پرانے دوست بتا تو کون ہے؟

کرشن ہنس پڑا۔ میں پرماتما ہوں۔ تیرا پرماتما۔ تمام جہان کا پرماتما اور سب کا پیدا کرنے والا ہوں۔ اس لئے میرا حکم مان۔ اٹھ اور لڑائی کر۔

ارجن حیران سا رہ گیا۔ بات بھی حیرانی ہی کی تھی۔ میرا رتھ ہانکتا ہے، میرے سامنے کھاتا پیتا ہے چلتا پھرتا ہے اور پھر کہتا ہے کہ میں پرماتما ہوں۔ قادر مطلق ہوں۔ قطعی جھوٹ! بالکل غلط!! کس طرح مان لوں کہ یہ میرا اور سارے جہان کا پرماتما ہے۔

ارجن کا یہ خیال اس کے چہرے سے ظاہر ہو گیا۔ کرشن ہنس پڑا اور کہنے لگا میرے بندے۔ میری طرف دیکھ۔ وہم مت کر۔ میں تیرا پرماتما ہوں۔

ارجن نے دیکھا۔ کرشن کی بجائے دیکھا۔ حیران رہ گیا۔ خوف سے کانپنے لگا۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

کیا دیکھا؟

ایک ایسا قالب!! جس کا چہرہ ہزار آفتابوں کی روشنی سے زیادہ روشن تھا جس کے ہزاروں ہاتھ اور ہزاروں پیر تھے جس کے خوفناک غاروں کی طرح کشادہ منہ میں تمام جہان موجود تھا۔ اور دونوں طرف کی موجوں کے جنگجو ہیبت آفرین دانتوں کے نیچے دبے ہوئے تھے۔

یہ عجیب اور خوفناک قالب!! کس کا؟ اسی کرشن کا اسی مادھوسودن کا جو میرا دوست ہے سارتھی ہے۔ میں اسے کیا سمجھتا تھا اور یہ کیا نکلا۔ میں نے کئی بار اس سے دل لگی کی۔ مذاق کیا۔ بے ادبی سے پکارا۔ کرشن کہا۔ یادو کہا۔ دوست کہا۔ حالانکہ یہ جہانوں کا آسمانوں کا خالق ہے سب کا مالک اور سب کا رازق ہے۔

ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ سر جھکا کر کہنے لگا۔ اے دو جہان کے مالک! بھول ہوئی مجھ سے خطا ہوئی معاف کیجئے۔ میں بندہ ہوں۔ آپ بندہ نواز ہیں۔ میں نکما ہوں۔ آپ کارساز ہیں۔ اے پروردگار رحمت کی شان دکھلائیے۔ "اے دیوتاؤں کے نور مجھ پر کرم فرمائیے"

یہ ہے وہ التجا جو ارجن کی زبان پر تھی۔ کیونکر نہ ہوتی۔ اس نے جلال دیکھا تھا۔ جمال دیکھا تھا۔ اسکی زبان سے جو آفریدگار ہے۔ پیدائش کا حال۔ فنا کا حال۔ نجات کا راز اور وہ سب کچھ جو کبھی نہ سنا تھا۔ اپنے کانوں سنا تھا۔

اب وہ زمانہ چلا گیا۔ سنانے والا ہے سننے والا نہیں۔ کس کی مجال ہے کہ سنانے والے کو مجبور کرے اور کہے کہ آ اور پھر سے وہی نغمہ سنا۔

لیکن امید کی ایک شعاع سے دِل کبھی کبھی چمک اٹھتا ہے۔ آنکھیں پُر نور ہو جاتی ہیں وہ آئے گا اپنا جلوہ دِکھائے گا۔ اور پھر سے وہی نغمے سُنائے گا جن سے خوابیدہ روحیں تڑپ اُٹھیں گی۔ ایمان جِلا پائے گا۔ اندھیرا مِٹ جائے گا۔ کیونکہ یہ

"اُسی کا قول ہے اُسی کا اقرار ہے"

ارجن نے اُسے دیکھا تھا۔ اِسلئے اُس سے التجا کی تھی۔ میں نے اُسے دیکھا نہیں لیکن اُس کے حضور میں مِنت سے، دِلی عقیدت سے گڑ گڑاتا ہوں اور عرض کرتا ہوں کہ

اے دو جہان کے پروردگار۔ ہم پھر گر گئے ہیں۔ انتہا درجے کے ذلیل ہو چکے ہیں۔ تیرا ارجن ہمارا بھی کچھ تھا۔ ہم اُسی کی اولاد ہیں۔ اُسی کے نام لیوا ہیں۔ تو نے اُس پر رحم کیا تھا۔ ہم پر بھی رحم کر۔

ایک دروپدی کے لئے غیب سے ہزاروں لباس برسانے والے! ہمارا بچہ بچہ عریانی کا شکار ہے نہ دامن ہے نہ دامن میں ایک تار ہے۔ دروپدی ستی تھی۔ ہماری ماں تھی۔ اس کے طفیل اُس کی پاکدامنی کا صدقہ ہم پر بھی رحم کر۔

ہم آریا ہیں اور آریوں کے لختِ جگر۔ اگرچہ ذلیل ہیں پھر بھی تیرے ہیں۔ آج ہم میں پھُوٹ ہے کوئی آریہ سماجی ہے۔ کوئی سِکھ۔ کوئی جینی ہے۔ کوئی سناتنی۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہم میں بہت سے تجھے اپنا خُدا نہیں مانتے لیکن تیری تعظیم ضرور کرتے ہیں۔ اِسلئے اے مدھوسودن! اُن کے نام پر جو ہماری قوم میں تیرے پرستار ہیں تجھی کو اپنا سب کچھ مانتے ہیں۔ ہم پر رحم کر۔

تو کریم ہے۔ تیرے بندے مفلس۔ تو پروردگار ہے۔ تیرے بندے نادار تو آزاد ہے۔ تیرے بندے غلام آقا ہی کی بندوں کی شرم ہو تو ہو۔ اِسلئے تیرے حضور میں اے خالق تیرے سامنے گڑ گڑاتا ہُوں کہ اپنے بیکس نادار بندوں پر رحم کر۔

تو خود کہتا ہے "میں زندگی ہوں"۔ "میں موت ہوں"۔ پھر کیا دیر ہے اپنے بندوں کو شاندار زندگی دے۔ شاندار موت دے۔ ہم زندہ قوموں کیطرح جئیں اور بہادروں کی موت مریں۔ چونکہ یہ سب کچھ تیری رحمتوں پر منحصر ہے۔ اِسلئے اے موت و حیات کے مالک ہم پر رحم کر۔

تیرا ارشاد ہے کہ میرے احکام کی جو بشر تبلیغ کرے گا وہ نجات پائے گا۔ جو پڑھے گا یا سُنے گا وہ بھی میرے انعامات کا مستحق ہوگا۔ میں نے اے دو جہان کے والی میں نے جو تیرا ذلیل ترین بندہ ہوں۔ تیرے ارشاد کی حرف بحرف تعمیل کی ہے۔ تیرے پاک احکام کو سنسکرت سے اردو کا لباس پہنایا ہے۔ اور اشاعت دی ہے۔ لیکن اے رب العالمین میں مکتی نہیں چاہتا۔ نجات کی خواہش نہیں کرتا۔ اگر میری یہ خدمت کسی قابل ہے تو میری قوم کو ترقیوں کی راہ دِکھا۔ اس ناچیز خدمت کو قبول کر اور اس نیم مردہ قوم کا دامن زندگی کے پھُولوں سے بھر۔ داتا رحم کر۔ رحم کر۔ کیونکہ تو الرحمن الراحمین ہے ؛

تیرا اور صرف تیرا :- لنظر سوہانوی

باب اوّل

کور دیدہ راجۂ عالی گہر — سنجے سے بولا کہ اے نیکو سیر
کُرکشیتر کی زمینِ پاک پر — رزمگہ کی تشنۂ خوں خاک پر
یادگارِ پانڈو عالی دماغ — اور مجھ بے نُور کے چشم و چراغ
جمع ہیں جو صف بصف بہرِ جدال — آشکارا مجھ پہ کر کچھ اُن کا حال
سنجے بولا اے شہِ عالی وقار — تاجدارِ بے عدیلِ روزگار
راجہ دُریودھن ترا لختِ جگر — بانئ پیکار۔ آمادہ بہ شر
پانڈو کے بیٹوں کی فوجیں دیکھکر — بحرِ بے ساحل کی موجیں دیکھکر
یُوں درون اُستاد سے گویا ہوا — یُوں نگاہِ لطف کا جویا ہوا
اے یلِ سرآمدِ جنگ آوراں — ناوک افگن نازشِ ہندوستاں
پانڈوؤں کا لشکرِ جرّار دیکھ — کس طرح ہے مائلِ پیکار دیکھ

درشٹ دیومن تیرا شاگردِ رشید
جسکے چہرے سے شجاعت ہی پدید

محو صف آرائیٔ افواج ہے
ہر جواں آمادۂ تاراج ہے

جمع ہیں اس کان میں دُر سینکڑوں
بھیم و ارجن سے بہادر سینکڑوں

ساتکی درو پد و وراٹ و چیکیتاں
یجودھان و درشٹ کیتو پرجتان

شیبو و سرتاجِ رئیساں کاشی راج
بھوج کنتی۔ ابھمن آتش مزاج

اُتمو جا۔ یدھمنِ سینہ سپر
درو پدی کے پانچوں فرزندانِ نر

سب کے سب ہیں یہ دلیرِ بے نظیر
آسماں کانپیں جو لیں چٹکی میں تیر

اے کہ تجھ کو جانتے ہیں برہمن
فخرِ دیں فخرِ زمیں فخرِ زمن

میری جانب جو یلانِ کار ہیں
میری سینا کے سر و سالار ہیں

غور سے اُن کے بھی سن نام و نشاں
تاکہ حالِ فوج ہو تجھ پر عیاں

اُن میں سب ہیں ماہرِ آلاتِ جنگ
قافیہ دشمن کا جو کرتے ہیں تنگ

بھیشم کرپا چارج وکینا کرن
سام تنجے۔ اسوتھاما۔ وکرن

مردِ میداں سو مدت اور تیری ذات | تیر برسا کر جو کر دے دِن کو رات
ایسے جانباز اور صفدر ہیں بہت | صاحبانِ تاج و افسر ہیں بہت
آئے ہیں جو لطفِ ہستی چھوڑ کر | میری خاطر مُنہ وطن سے موڑ کر
بھیم کے زیرِ کماں پانڈو کی فوج | بھیشم کی سرکردگی میں میری فوج
کم ہے لیکن جوش سے نکھری ہوئی | گو زیادہ ہے مگر بکھری ہوئی
اِس لئے اے دوستانِ باصفا | ہے یہ عرض و التجا و مدعا
اپنے اپنے مورچوں پر آپ سب | ہوں پتامہ کی اعانت کا سبب
سُن کے دُریودھن کا حرفِ آرزو | جوش میں دلیروں کا لہو
کوروؤں کی فوج کا سینا پتی | وُہ بزرگِ خانداں بھیشم جتی
رعد ساکڑکا عجب انداز سے | شیر گرجا سنکھ کی آواز سے
جس سے دُریودھن کا دِل شاداں ہوا | فتح کا گویا سر و ساماں ہوا
سنکھ نقارے دُہل اک آن میں | ہر طرف بجنے لگے میدان میں

شورِ محشر سُنکے تھرّانے لگے — بُزدِلوں کے دم نکل جانے لگے
اُس طرف اِک خوشنما رتھ پر سوار — کرشن جی اور ارجنِ ناوک گذار
اپنے اپنے سنکھ جوشِ جنگ سے — مست ہو ہو کر بجانے لگ گئے
تا لبِ بھگوان کے تھا پانچ جنّ — بیر ارجن۔ دیودت سے نعرہ زن
دِل ہلا ڈالے بہادر بھیم نے — پینڈر نامی اپنے بھاری سنکھ سے
سگھوش مین لشپک نکل سہدیو نے — اور یدھشٹر نے بجایا انت وجے
کاشی راج ودرشرٹ دیومن ساتکی — درپد۔ سوبھدر شکھنڈی دھرشٹ
غلغلہ زن رن میں سب یودھا ہوئے — شور برپا تھا لبِ ناقوس سے
کانپ اُٹھے اِس شور سے ارض و سما — کوروؤں میں حشر سا برپا ہوا
اسلحے رن بھوم میں چلنے لگے — سورما اِس آگ میں چلنے لگے
رزمگہ پر ڈالی ارجن نے نگاہ — کرشن سے بولا کہ اے گردوں پناہ
درمیاں ان دونوں فوجوں کے شتاب — میرے رتھ کو لے چلو اے والا خطاب

تا کہ دیکھوں کون کون اس جنگ میں — عرصۂ پیکار صد فرسنگ میں
سر بکف ہیں بہرِ رزم آئے ہوئے — زندگی پر فتح ہیں پائے ہوئے
کون مجھ سے دو بدو ہوگا یہاں — کون میرے رو برو ہوگا یہاں
کن جوانمردوں سے لڑنا ہے مجھے — کن سے پالا آج پڑنا ہے مجھے
جو یہاں مجھ سے کرینگے دو دو ہاتھ — اور دینگے دُشٹ دُریودھن کا ساتھ
مجھ سے کس کس کو ہے ارمانِ ستیز — کتنے پانی میں ہے دیکھوں تیغِ تیز
التماسِ ارجنِ سینہ سپر — بھگتی شری بھگوان کو مدِ نظر
لے گئے رتھ کو میانِ ہر دو فوج — مہرِ انور نے دیا ذرّے کو اوج
پھر یہ فرمایا کہ اے مردِ دلیر — صف شکن ناوک فگن غرّندہ شیر
بھیشم و درونا مقابل ہیں ترے — وہ پرا باندھے کھڑے ہیں دیکھ لے
ہم نبرد آج ان سے ہونا ہے تجھے — خوں سے روئے تیغ دھونا ہے تجھے
اُف جونہی ارجن نے دیکھا سامنے — دونوں ہاتھوں سے لگا دل تھامنے

بھائی بیٹے اُنہیں تھے غمخوار تھے ۔۔۔ کچھ عزیز و آشنا کچھ یار تھے

جدِّ امجد۔ عم اور اُستادِ شفیق ۔۔۔ بیٹے پوتے عہدِ طفلی کے رفیق

یہ نظارہ دیکھ کر ارجن کا دل ۔۔۔ درد سے تھا بیقرار و مضمحل

اضطرابِ غم سے یوں گویا ہوا ۔۔۔ اے کرشن اے مالکِ ارض و سما

مجھ سے جو آمادۂ پیکار ہیں، ۔۔۔ سب مرے ہمدرد ہیں غمخوار ہیں

بھائی ہیں، عم ہیں پسر ہیں خویش ہیں ۔۔۔ آہ کیا میرے یہ بداندیش ہیں ؟

دیکھ کر ان کو مرے ہاتھوں کا بل ۔۔۔ کھو گیا اور ہو گئے ہیں پاؤں شل

مُبتلائے صد غم و آلام ہوں ۔۔۔ خوف سے میں لرزہ بر اندام ہوں

رونگٹے ہیں جسم پر میرے کھڑے ۔۔۔ خود ہیں اپنی جان کے لالے پڑے

گانڈیو اب ہاتھ سے گرنے کو ہے ۔۔۔ پانی اُمیدوں پر اب پھرنے کو ہے

سوزشِ غم سے ہوں میں آتش بجاں ۔۔۔ زندگی سے ہوں خفا میں سرگراں

داستانِ دردِ دل کس سے کہوں ۔۔۔ رزمگہ میں کس طرح ٹھہرا رہوں

بھائی بندوں سے لڑوں تو ہے غضب
بدشگوں مجھ کو نظر آتے ہیں سب

اس سے ہوں لاعلم اِن کو مار کر
کیا ملے گا مجھ کو اے عالی گہر

فتح کا ارمان اب دل میں نہیں
پیار آیا اُڑ گئی چینِ جبیں

دم زدن کی شادمانی کے لئے
پنجروزہ زندگانی کے لیے

جان لوں ان کی یہ ہو سکتا نہیں
ہاتھ سے اپنوں کو کھو سکتا نہیں

اِن کے آگے سلطنت کیا مال ہے
سلطنت جن کے لئے پامال ہے

ہے تمنا راج کی جن کے لئے
فکرِ تخت و تاج کی جن کے لئے

وہ یہاں آئے ہیں سب کچھ چھوڑ کر
کشتِ خوں پر آہ باندھے ہیں کمر

میں نہ ماروں گا انہیں زنہار اب
مار ڈالیں گو مجھے مل کر یہ سب

اس زمیں کا راج تو کچھ بھی نہیں
ہاتھ اگر آئے مرے خلدِ بریں

پھر بھی ہرگز ان کو مارونگا نہ میں
نیستی کے گھاٹ اتارونگا نہ میں

یہ ہیں گرچہ نابکار و بد شعار
در حقیقت ہیں مرے سب یارِ غار

اِن کا قتلِ عام ہے عصیاں اساس
اِس سے بہتر ہے فقیری کا لباس

اِن کے مرنے سے مجھے شادی نہیں
کس نے کی ہے خانہ بربادی کہیں

اِنکی آنکھیں بیخودی سے بند ہیں
اِن کے دِل تحریص سے خورسند ہیں

اِس ہوس میں عقل کھو بیٹھے ہیں یہ
زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں یہ

یہ نہیں آگاہ اپنے آپ سے
بے خبر محسن کشی کے پاپ سے

آہ لیکن ہم تو واقف کار ہیں،
صاحبِ ادراک و حق آثار ہیں

کیا غضب ہی پاپ سے آگاہ ہوں
اور پھر لوں دین سے گمراہ ہوں

کیونکہ قتلِ خانداں ہے وہ غضب
جس سے مٹ جاتے ہیں کُل کے دھرم سب

ایسی بیدینی میں گھر کے مرد و زن
دشمنِ ناموس ہوں گے بدچلن

بدچلن ہوں جب زنانِ خانداں
اُن کی بدکاری سے اٹلے نوارجاں

جو پسر ہونگے وہ ہونگے ناخلف
خلط ملط اولاد ہے دور از شرف

ناخلف اولاد کے ہمراہ سب
وہ جو قتلِ خانداں کا ہیں سبب

گرتے ہیں دوزخ کی جلتی آگ میں
رنج کی آتش میں غم کی آگ میں

اُنکے جو اسلاف ہیں خُلد آشیاں
آب و دانہ کیا مِلے اُن کو وہاں

اس لئے ہوتے ہیں غم سے بے قرار
جم کے ہاتھوں رہتے ہیں سینہ فگار

ختمِ رسمِ نیک سے اے کرشن جی
ختم ہوتا ہے سناتن دھرم بھی

دھرم کا جنکے گھروں سے ہو فرار
گرتے ہیں دوزخ میں وہ عصیاں شعار

آہ کِتنا پاپ ہے اے یوگ راج
بھائیوں کو مار کر لیں تخت و تاج

اس سے بہتر ہے کہ اندھے کے پسر
مجھ نہتّے کا اُڑا دیں دھڑ سے سر

پھر کہا سنجے نے اے شاہِ زماں
غم سے تھا ارجن کا چہرہ زعفراں

اس الم سے ارجنِ سینہ فگار
میں نہیں لڑتا یہ کہہ کر بار بار

غم سے رتھ میں بیٹھ کر رونے لگا
آنسوؤں سے اپنا مُنہ دھونے لگا

پاس میں پھینکے زمیں کے فرش پر
ہاتھ سے تیر و کماں تیغ و تبر

خُداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے ارجن کے افسوسناک الم خیز خیالات پر مشتمل مقدس گیتا کا جو سر بسر علم الٰہی۔ خلاصہ رموزِ معرفت اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے اور جسکو پنڈت نظر سوہانوی نے اُردو نظم کا لباس دِیا ہے۔ پہلا باب ختم ہوا ۔

باب دوم

سنجے بولا راجۂ بے چشم سے — قلبِ ارجن پر ہوا یہ رحم سے
آنکھ میں آنسو زباں پر آہ تھی — طبعِ ڈانواں ڈول تھی گمراہ تھی
ارجنِ پُر غم کا عالم دیکھ کر — یوں ہُوا ارشادِ ذاتِ پاک تر
عرصۂ پیکار میں وقتِ جدل — کیوں ہوا دل پر محبت کا عمل
آریوں کا یہ کبھی شیوہ نہ تھا — آریا پیکار سے ڈرتا نہ تھا
بند ہے اُس پر درِ خُلدِ بریں — جی بچے جو چھوڑ کر رن کی زمیں
باعثِ نفرت ہے یہ طرزِ عمل — مردِ میداں بن بہادر بن سنبھل
ہوگیا ہے دل کا تو نامرد کیوں — تیرے لب پر ہے یہ آہِ سرد کیوں
یہ ترا طرزِ عمل اچھا نہیں — بزدلی تیرے لئے زیبا نہیں
صف شکن ہو برسرِ پیکار ہو — ہاتھ میں لے کر کماں تیار ہو

عرض کی ارجن نے ای ربِّ زمن ‏ ‏ ‏ خرمنِ الحاد پر شعلہ فگن
بھیشم بابا پر درون اُستاد پر ‏ ‏ ‏ کس طرح اونچا کروں دستِ تبر
ہم خوشی سے شادماں ہوں مست ہوں ‏ ‏ ‏ تیر انکے جسم میں پیوست ہوں
یہ تو ہرگز مجھ سے ہو سکتا نہیں ‏ ‏ ‏ اپنے ہاتھوں ان کو کھو سکتا نہیں
اس سے بہتر ہے جہاں میں عمر بھر ‏ ‏ ‏ بھیک کے ٹکڑوں پہ کرلوں دن بسر
یہ ہیں طالب دنیوی آرام کے ‏ ‏ ‏ زخم خوردہ اس خیالِ خام کے
قتل کرکے ان کو اے جانِ سپاس ‏ ‏ ‏ خون میں لتھڑا ہوا پہنوں لباس
پھر شکست و فتح کا یہ امتیاز ‏ ‏ ‏ میرے حق میں ہے ابھی اک حرفِ راز
مار کر جن کو نہیں جینا پسند ‏ ‏ ‏ ہیں وہی پیشِ نظر حق ناپسند
ہے محبت سے مرا حالِ زبوں ‏ ‏ ‏ جوش ہے دل میں بشوقِ کشت و خوں
فرض کیا ہے اس میں میں واقف نہیں ‏ ‏ ‏ میں بھٹک جاؤں نہ رستے سے کہیں
جس طرح میرا بخیر انجام ہو ‏ ‏ ‏ عاقبت میں خلد کا انعام ہو

آپ وہ پند و نصائح دیجئے
وہم میرے دِل سے خارج کیجئے

دِل سے ہُوں میں آپ کا تابع غُلام
آپ کا بندہ ہُوں اے ربِ اَنام

بیکسی میں بیکسوں کے کارساز
اِس طرف بھی اک نظر بندہ نواز

اے خُدائے پاک و ذاتِ پاک تر
آپ دیں مجُھ کو وہ پندِ پُر اثر

جس سے اپنے فرض کو میں جان لُوں
نیک، بد، اچھّا، بُرا پہچان لُوں

خُلد پر نُصرت ملے مجُھ کو اگر
چاکِ دِل کا ہے رفو دشوار تر

آتشِ غم سے پُھنکا جاتا ہُوں میں
درد کے مارے جُھکا جاتا ہُوں میں

سر بسر میرا بدن بِسمل سا ہے
اب علاجِ دردِ دِل مشکل سا ہے

گفتگو سنجے سے جاری تھی اُدھر
تھا جہاں وہ شاہِ نابینا نظر

حالِ ارجن ہو رہا تھا یُوں بیاں
وہ دِلاور صاحبِ تیر و کماں

لرزہ بر اندام ہیں جس سے عدو
جس کے ڈر سے کانپتے ہیں فتنہ خُو

کرشن سے یُوں کر رہا تھا عرضِ حال
اے علیمِ کُل خدائے ذو الجلال

جنگ کرنے کا نہیں زنہار میں
مارنے مرنے سے ہُوں بیزار میں

اِس طرح کہہ کر لبِ خاموش تھا
مضمحل تھا بے سکونِ ہوش تھا

رزمگہ میں درمیانِ ہردو فوج
دیکھ کر اُس پیل تن کے من کی موج

ہنس کے فرمایا خدائے پاک نے
محفل آرائے نجوم و خاک نے

فکر اُن کے واسطے کرتے ہو تُم
اُن کے غم میں بے سبب مرتے ہو تم

فکر جن کی ہے سراسر ناروا
غم ہے جن کی ذات سے کوسوں جُدا

اس پہ طُرّہ یہ ہے تم اے نیکخو
عالموں کی سی ہو کرتے گفتگو

فرض سے آگاہ ہیں جو اہلِ دیں
وہ مرے جینے کا غم کرتے نہیں

اس سے پہلے کیا نہ تھے تم اور ہم
اور یہ سب راجۂ عالی ہمم

خلق کیا یہ سب نہ ہونگے بعدِ موت
ہست کا مطلب حقیقت میں ہے فوت

جس طرح طفلی و پیری و شباب
اس کتابِ جسم کے ہیں تین باب

بس یُونہی جب چھوڑتے ہیں یہ بدن
دوسرا پاتے ہیں پھر ملبوس تن

اِسلئے ہر صاحبِ ہوش و حواس
جینے مرنے سے ہے بے پاس و ہراس

شوق ہی جس کے سبب لذّت فزا
یہ تعلق ہے حواس و نفس کا

گرمی سردی عیش و غم رنج و تعب
ہوتے ہیں محسوس انہی دو کے سبب

آمد و رفت اِن کو ہی فانی ہیں یہ
گو یہاں وجہِ تن آسانی ہیں یہ

بے غم و آلام تم اِن کو سہو
بھول جاؤ عشرت و تکلیف کو

جس کو تکلیفات کی پروا نہیں
عشرتوں کا والا و شیدا نہیں

ایسا صابر بعدِ مرگِ ناگہاں
کرتا ہے حاصل نجاتِ جاوداں

کوئی شے ہو جو فنا ہونے کو ہے
جس کی ہستی بے بقا ہونے کو ہے

رہ نہیں سکتا یہاں اُسکا وجود
ہے فنا آمیز اُس کی ہست و بود

اور وہ شے جو فنا سے دُور ہے
غیر فانی ہے بقا مستور ہے

اُس کی ہستی کو نہیں ہوتا زوال
موت پر ہرگز نہیں اُس کا مآل

یاد رکھ یہ بات اے عالی ہمم
رُوح کوئی شے اگر ہے اور ہم

اِن کو ہو سکتی ہے پھر کیونکر فنا
دسترس پھر موت کا ان پر ہی کیا

حقّ و باطل کا ہے جو سرِّ نہاں
عارفوں کی ذات پر ہے سب عیاں

یعنی حق کے ماسوا کچھ بھی نہیں
جو ہے باطل وہ ہے کیا کچھ بھی نہیں

حق ہی حق ہے اِس جہاں میں چارسُو
غیرِ فانی لاتبدّل ردّ و برد

اِس جہاں کے دِل میں جو موجود ہے
جو تمہارا منزلِ مقصود ہے

غیرِ فانی ہو وہ ہے ہمیشہ ذات
ہے اُسی کے دم سے دُنیا کو ثبات

جو کبھی گھٹتا نہیں بڑھتا نہیں
مَوت کے ہتّے کبھی چڑھتا نہیں

رُوح ہے نام اُس وجودِ پاک کا
جسکے بس میں ہے یہ قالب خاک کا

رُوح ہے بے ابتدا بے انتہا
خاک کے اِن قالبوں کو ہے فنا

اسلئے فانی کا تو ماتم نہ کر
جنگ کر ان خاکیوں کا غم نہ کر

رُوح کو مقتول و قاتل جو بشر
جانتا ہے وہ ہے بالکُل بیخبر

کیونکہ اس موجودِ برحق کا وجود
بے سر ہے ذاتِ مُطلق کا وجود

مار سکتا ہے نہ مر سکتا ہے یہ — قائم و موجود رہ سکتا ہے یہ
روح ہے خلق و فنا سے بے نیاز — ابتدا و انتہا سے بے نیاز
زندۂ جاوید اپنی ذات سے — دُور تر موت و فنا کے ہات سے
جسم کے مرنے سے یہ مرتی نہیں — موت کے گھر میں گذر کرتی نہیں
جو بشر اِس راز سے آگاہ ہے — جسکے دل میں جلوۂ اللہ ہے
وہ کسی کو قتل کرتا ہی نہیں — دوسروں سے آپ مرتا ہی نہیں
جس طرح انسان بوسیدہ لباس — یا پُرانا یا کوئی میلا لباس
دُور کرکے اپنے جسمِ خاک سے — زیب پاتا ہے لباسِ پاک سے
بس یونہی یہ روح بھی اے میرجاں — دیکھتی ہے جسم کو جب ناتواں
کر لیا کرتی ہے جسمِ نو حصول — اِسلئے یہ جینا مرنا سب فضول
تیغ سے زِنہار یہ کٹتی نہیں — بادِ طوفاں خیز سے گھٹتی نہیں
آتشِ شعلہ فشاں و شعلہ ریز — کرتی ہے خود اس کے شعلونسے گریز

پانیوں میں گل نہیں سکتی ہے یہ / آتشوں میں جل نہیں سکتی ہے یہ

آگ میں جلنا ہوا سے سوکھنا / آب میں گلنا تبر سے ٹوٹنا

اس کا دم ان سب کی زد سے دور ہے / اس کی ہستی سربسر پُر نور ہے

بے فنا و ساکن و قائم ہے یہ / بے شروع و الطف و دائم ہے یہ

اس کے دامن کا ہے ہر رشتہ قدیم / ہے اسی گل سے یہ دنیا پُر نعیم

بسکہ تاریکیوں سے دور تر / عقل کی باریکیوں سے دور تر

ہیر پھیر اس میں نہیں ہوتا کبھی / اس کا اک ذرہ نہیں کھوتا کبھی

پاک تر عصیاں سے اور دور از حواس / نفس و دل کی افترا سے بے ہراس

اس لئے اے ارجنِ عالی وقار / فکر چھوڑو بہرِ تسکین و قرار

آہیں بھرنے سے تو حاصل کچھ نہیں / روح میں مقتول و قاتل کچھ نہیں

اور اگر مانندِ قالب جا بجا / مانتے ہو اس کی تم خلق و فنا

پھر بھی اس کا رنج کرنا ہے عبث / لب کو نالہ سنج کرنا ہے عبث

جو ہے زندہ جو یہاں پیدا ہوا — وہ فنا کی راہ پر چلتا ہوا
اور بعد زندگی مرتا ہے جو — موت کے گھر میں گذر کرتا ہی جو
بیگماں ہوتا ہی وہ پیدا یہاں — دیکھتا ہے منظرِ باغِ جہاں
جب کہ یہ فطرت بدل سکتی نہیں — یہ بلا سر پر سے ٹل سکتی نہیں
پھر دلِ پُر درد سے حاصل ہی کیا — اس غمِ بے سود سے حاصل ہی کیا
سب کے سب اس بات سے ہیں بے خبر — تھے کہاں تخلیق سے ہم پیشتر
اس سے بھی واقف نہیں اہلِ جہاں — جائینگے ہم سب پس از مُردن کہاں
ہاں مگر اس وقت سے ہیں باخبر — حالِ موجودہ پہ ہے سب کی نظر
جب نہیں معلوم پہلے کیا تھے ہم — اور کیا ہونگے پسِ دورِ عدم
پھر یہاں رنج و الم کا ذکر کیا — ہونے والی ہے جو اُسکی فکر کیا
کوئی انساں دیکھ کر اس کا ظہور — حیرتی ہوتا ہے بے چشمِ قصور
کوئی اس کا ذکر کرتا ہے تو یوں — ہے تعجب خیز شے بیمثل و چوں

اور کوئی سُن سُنا کر روز و شب — کہتا ہے اِس روح کو پُر از عجب
لیکن ایسی رو میں بہنے سے اسے — دیکھنے سُننے سے کہنے سے اِسے
درحقیقت جانتا کوئی نہیں — کیا ہے یہ پہچانتا کوئی نہیں
سب کے قالب میں یہ ساکن روحِ پاک — مرگ و پیدائش سے ہے کب سینہ چاک
یہ کسی کو قتل کر سکتی نہیں — مارنے والے سے مر سکتی نہیں
اِسلئے یہ رنج و غم فکر و ملال — ہے فقط کم ظرفیٔ عقل و خیال
پھر تمہارا فرضِ اصل تم ہے یہ — قدرتی تلوار کا جوہر ہے یہ
اِس سے بہتر چھتری کے واسطے — زندگی کی بہتری کے واسطے
اور ہو گا جنگ کا میدان کیا — اِس ادائے فرض کا سامان کیا
جنگ جس کا ہر طرف آوازہ ہے — یہ تو جنت کا کھلا دروازہ ہے
زندگی میں جنگ کا ایسا سماں — نیک بندوں کو ہے ملتا بےگماں
جنگ سے اب بھی اگر ہٹتے ہو تم — اپنی پہلی بات کو رٹتے ہو تم

فرض سے شہرت سے دھو بیٹھو گے ہاتھ — دن گذاروگے بڑی ذلت کے ساتھ

فرض سے ہو کر الگ اے نامدار — کس لئے بنتے ہو تم عصیاں شعار

نفرت و ذلت سے رہو ہر صدی — نام لینگے سب تمہارا با بدی

جس میں ہو بدنامیوں کی انتہا — ایسے جینے سے تو مرجانا بھلا

جنگجویانِ جہاں و صف شکن — ہیں یہاں جتنے بھی وہ سب تیغ زن

مان لینگے گو نہ ظاہر میں کبھی — رن سے ڈر کر بھاگنے والا تمہیں

آج کہتے ہیں جو تم کو صف شکن — جانتے ہیں پیل تن پولاد تن،

اُن کی آنکھوں میں نہ جا پاؤ گے تم — اشک کی مانند گر جاؤ گے تم

دشمنِ حق یہ عدو یہ جنگ جو — ڈر سے پانی پانی ہے جن کا لہو

پھر کہینگے تم کو یہ ناپاک گِل — بزدل و بے طاقت و کمزور دل

اِس سے بڑھ کر رنج کی کیا بات ہے، — روزِ روشن کو جو کہدیں رات ہے،

جنگ میں تم مارے جاؤ گے اگر — پاؤ گے فردوس کی منزل میں گھر

اور اگر ان کا مٹا دو گے نشاں
سلطنت حاصل کرو گے بیگماں

اسلئے اے صاحبِ تیر و تبر
باندھ لو ہمت کا کس کر کمر

رنج و راحت کو برابر مان کر
ایک سا سود و زیاں کو جان کر

ہو کے بے پروا شکست و فتح سے
شادماں اُٹھو الم کی سطح سے

دشمنوں پر جنگ میں مانندِ میغ
بجلیاں برساؤ از دامانِ تیغ

پھونک ڈالو خرمنِ جانِ عدو
تیغ بن کر ان کا پی جاؤ لہو

یُوں اگر ہو جاؤ تم گرمِ قتال
ہاتھ تھامے معصیت کی کیا مجال

فلسفہ ابتک ہوا ہے جو بیاں
ترک پر مشمول ہے اے تیغ راں

اب سناتا ہوں وہ عرفانِ عمل
کہتے ہیں عارف جسے جانِ عمل

جس کو سن کر قلزمِ آلام سے
پار ہو جاؤ گے تم آرام سے

بندِ عصیاں سے رہائی پاؤ گے
بے نیازِ ماسوا ہو جاؤ گے

جذبۂ جس فعل کا آغاز ہو
نفس اس میں کیا خلل انداز ہو

خیر پر انجام سے اُس فعل کا
جس کا اوّل ہو سلوکِ بے ریا

قلب جس کا فرض پر مائل ہوا
جذب کی دولت کا جو سائل ہوا

چھوٹ جاتا ہے وہ تکلیفات سے
رنج و غم سے دور وہ آفات سے

وہ خرد جو بے نیازِ نفس ہے
ہر طرح آگاہِ رازِ نفس ہے

بے نیازِ ہستئ ہست و اجل
رہنمائے منزلِ جذب و عمل

ساکن و قائم ہے وہ بے ردّ و کد
جانتی ہے رازِ کارِ نیک و بد

وہ بشر وہ قالبِ خاک اے عزیز
حق و باطل میں نہیں جنکو تمیز

عقل ہو ان کی اگر مائل بہ غور
دیکھتے ہیں سینکڑوں دُنیا کے طور

کس طرح غم سے گذرنا چاہئے
کیا ہے کرنا کیا نہ کرنا چاہیے

اِن مسائل کی خبر اُن کو نہیں
گلشنِ اوہام کے ہیں خوشہ چیں

سربسر ہیں وہ غلامِ قلبِ زار
بے عمل بے جذبۂ حق بے قرار

اور وہ اِنسان جو احکامِ وید
مانتے ہیں جانتے ہیں بس یہ بھید

جنّتِ فردوس ہے انعامِ ذات ویدکے اشغال ہیں وجہِ حیات
راحت و عشرت انہی کے دم سے ہے ان کا شاغل زوربندِ غم سے ہے
منزلِ جاوید سے یہ بے خبر جان دیتے ہیں حیات و موت پر
یہ اسیرِ حرص و خواہش ہیں تمام محوِ لذاتِ ہوس ہیں لاکلام
جنّتِ فردوس کے بندے ہیں یہ آپ اپنی ذات کے پھندے ہیں یہ
یہ بشرِ ظاہر میں ہیں زیبِ جہاں گلفشاں ہیں مثلِ نخلِ گلفشاں
لیکن اُن کے دل ہیں آسائش پسند عشرت و راحت کے زنداں میں ہیں بند
لذتِ دُنیا کے دیوانے ہیں جو ساغرِ عشرت کے مستانے ہیں جو
ایسے لوگوں کا تصور صبح و شام رہتا ہے مصروفِ نفسِ بے لگام
اسلئے قائم نہیں ہے اُن کا دل اب کہیں تو اب کہیں ہے اُن کا دل
جذب کی راحت سے ہیں وہ بے خبر دل کی بے تابی سے ہیں شوریدہ سر
عِلم و شوق و جہل یہ تینوں صفات وید میں ہے جن کا ذکر ای نیک ذات

لذّتِ دُنیا کی عشرت خیز ہیں
کُلفتِ عقبیٰ کی غم انگیز ہیں

اِن صفاتِ ظاہری کو چھوڑ کر
ہو رہو تم عارفِ جلوہ نگر

گرم و سرد و رنج و راحت کا خیال
دِل سے کر کے دُور تُم اے خوشخصال

علمِ باطل علمِ حق حاصل کرو
اپنا سب کچھ ذات میں شامل کرو

خواہشِ دُنیا سے ہو کر بے نیاز
منزلِ حق کے بنو جادہ طراز

پانی ہی پانی اگر ہو چار سُو
کون کرتا ہے کنوئیں کی جُستجو

بس یُونہی اس برہم گیانی کیلئے
زندہ دارِ زندگانی کے لئے

بے ضرورت وید کے اشغال ہیں
بے سبب یہ فعل یہ اعمال ہیں

یاد رکھّو ارجنِ والا تبار
فعل پر ہے بس تمہارا اختیار

لیکن ایسی خواہشیں ہیں سب فضول
فعل سے چاہیں جو لذّت کا حصول

درحقیقت فعل اُسی کا نام ہے
دُور حِس سے نفسِ نافرجام ہے

اِس لیے تُم جذب کے زیرِ اثر
دِل لگاؤ فرض کی تکمیل پر

کامیابِ دل ہو یا ناکامیاب — اسکو سمجھو اپنے حق میں اک عذاب

نیک و بد سب کو برابر مان کر — اور اپنے آپ کو پہچان کر

فرض کو تسکین سے انجام دو — بھول جاؤ ثمرۂ اعمال کو

کیونکہ ہر عالم میں تسکینِ قرار — ہے سلوک و جذب کا آئینہ دار

اسلئے ایسی خرد کی لو پناہ — جسکو یکساں ہوں خیالِ واہ و آہ

کیونکہ جو انسان جو مردانِ کار — ہیں جزائے فعل کے امیدوار

وہ حقیقت میں خرد سے دور ہیں — جلوہ زارِ بے ابد سے دور ہیں

عقلِ یکساں ہیں ہی جن کی رہنما — ملتی ہے اُن کو مری منزل میں جا

اسلئے تم بھی ادائے فرض پر — خواہشوں کو مار کر باندھو کمر

صدق ہی میں ہیں عمل کی خوبیاں — جذب ہی میں علم رہتا ہے نہاں

عقلِ یکساں ہیں سے ہر عرفاں نواز — منزلِ رحمت کا ہے جادہ طراز

اُس جگہ ہوتا ہے وہ مر کر مکیں — رنج و راحت کا جہاں عالم نہیں

جب تمہاری عقل جو ہے بیقرار	قلزمِ اُلفت سے ہو جائے گی پار
پھر وہاں پہنچو گے تم جس کے مکیں	اِس جہاں میں لوٹ کر آتے نہیں
دُور ہے جو جلوۂ اُمید سے	اور ہر فکرِ شُنید و دید سے
ہے تمہاری عقل بھرمائی ہوئی	مختلف باتوں سے گھبرائی ہوئی
جب اِسے ہو ایک عالم میں قرار	عیش و راحت کُلفت و غم میں قرار
پھر تمہیں وہ مرتبہ مِل جائیگا	غنچۂ دِل سر بسر کھل جائے گا
سُن کے یہ ارشادِ ذاتِ کردگار	عرض پیما یُوں ہوا وہ حق نثار
عارفِ واصل ہے جو انساں یہاں	اُسکی کیا پہچان ہے اے جانِ جاں
اُس بشر کے ہیں طریقِ کار کیا	قول کیا اعمال کیا اطوار کیا
عرضِ ارجن پر زبانِ ذاتِ پاک	یوں گُہر افشاں ہوئی اے مُشتِ خاک
جس بشر کا قلب ہے خواہش سے دُور	عقل ہے جس کی غم کاوش سے دُور
نفسِ امارہ کا جو بندہ نہیں	دُنیوی لذات کا شیدا نہیں

آپ اپنی ذات میں جو مست ہے، ذات ہی میں جس کا بندوبست ہے،
عارفِ کامل ہے وہ واصل ہو وہ ذات کے انوار میں شامل ہے وہ
غم سے جو بےتاب ہو جاتا نہیں عیش کے عالم میں کھو جاتا نہیں
قلب جس کا ذات سے پُر نور ہے خوف و طیش و دشمنی سے دُور ہے
عارفِ کامل وہی ہے بیگماں ہے اُسی کا حق نجاتِ جاوداں
جو کسی شے سے نہیں رکھتا ہو پیار عیش میں خوش ہے نہ غم سے بیقرار
جس کو گلزار و بیاباں ایک ہے عشرت و غم، نفع و نقصاں ایک ہے
عقل قائم ہے اُسی انسان کی اُسکے دل میں دشمنی ہے جان کی
کچھوے کی مانند اپنے سب حواس کھینچتا ہے ضبط سے جو خود شناس
عارفِ کامل وہی ہے بیگماں ہے وہی مشمول ذاتِ بےنشاں
قدرتیں جس کو ہیں ضبطِ نفس پر خواہشیں رہتی ہیں اُس سے دور تر
لیکن اِن لذات کی خواہش کبھی دل سے مٹ سکتی نہیں یکبارگی

یہ تو جب مٹتی ہے اے شمشیر زن — دِل میں نورِ ذات ہو جلوہ فگن
راہِ عرفاں جو کیا کرتے ہیں طے — جن کا شیوہ شغلِ ضبطِ نفس ہے
اُنکو بھی یہ مستِ کبر و دِل حواس — اپنی جانب کھینچتے ہیں بے ہراس
ضبطِ دم کے شغل میں جو مست ہے، — نفس امّارہ پہ بالا دست ہے
جس کے قبضے میں ہیں نفس و عقل و دِل — بے سکونی سے نہیں جو مضمحل
عارفِ کامل وہی انساں تو ہے — ذات میں شامل وہی انساں تو ہے
لذّتوں کی یاد سے شام و سحر — نفس و دِل ہوتے ہیں آمادہ بہ شر
نفس سے خواہش و اس خواہش سے طیش — دمبدم بڑھتا ہے اے بیزارِ عیش
طیش سے کھو جاتے ہیں ہوش و حواس — قوّتِ ادراک کا ہوتا ہے ناس
حافظے کی قوتِ تخئیل ساز — نیک و بد میں ہوتی ہے بے امتیاز
حافظہ ہی جب نہیں تقویٰ کہاں — دِل میں نورِ ذات کا جلوہ کہاں
عقل جب ماری گئی پھر کچھ نہیں — ڈگمگا جاتے ہیں سب دین و یقیں

جس کو اپنے نفس پر قابو مِلا عقل و دِل پر بس قابو مِلا
وہ بشر انوارِ جاں رکھتا ہُوا دِل کو دِل میں میہماں رکھتا ہوا
راحتیں کرتا ہے حاصل بیشمار گو حواسِ ظاہری ہوں صرفِ کار
راحتِ قلبی سے اُسکے رنج و غم دُور ہو جاتے ہیں اے عالی ہمم
کیونکہ جسکا دِل ہی مست و شادماں عقل قائم ہے اسی کی بے گُماں
شغل سے لیکن جو ہے دُور از خیال جو نہیں سرگرمِ راہِ حال و قال
اُس بشر کی زندگی کیا دین کیا عقل کو اُسکی یہاں تسکین کیا
عقل جس کی مضطرب ہے وہ بشر رُوح کے اسرار سے ہے بے خبر
ذات پر جو روز و شب مرتا نہیں دُور ہے اُس سے سکونِ دِل کہیں
جسکو تسکیں ہی نہیں حاصل یہاں راحتیں اُسکو میسّر ہوں کہاں
جس بشر کا دِل ہے پسِ نفس و حواس دوڑتا رہتا ہے بے حدِ قیاس
اُس بشر کا دِل حواس و ہوش کو قلب کی تسکینِ راحت دوش کو

یوُں ڈبو دیتا ہی بے ریو وریا
جس طرح دریا میں کشتی کو ہوا

اِسلئے جس کے حواس و نفس و دل
شوقِ خواہش سے نہیں ہیں مضمحل

عقل ہے قائم اُسی کی بے فتور
ہے وہی مشمولِ ذاتِ پُر سرور

جانتے ہیں رات جس کو سب بشر
نیک انسانوں کو ہے مثلِ سحر

اور جب بیدار ہو سارا جہاں
جانتے ہیں شب اُسے عارف یہاں

بحر کی وسعت میں جیسے بے نظر
سینکڑوں مِلتے ہیں دریا آن کر

لیکن اُسکی حد وہی ہی جو کہ ہے
پانی کی آمد زیادہ گو کہ ہے

پس یونہی جو پاک دل پاکیزہ دیں
خانۂ لذات کا ہو کر مکیں

اپنی اصل و طرح پر قائم رہے
مست شغلِ ذات میں دائم رہے

وہ سکونِ قلب پاتا ہے یہاں
مر کے جاتا ہے نہ آتا ہے یہاں

جو پسِ خواہش بھٹکتے رہتے ہیں
دامِ خواہش میں لٹکتے رہتے ہیں

جو بشر سب خواہشوں کو چھوڑ کر
شوق و نفرت سے تعلق توڑ کر

شغل میں مصروف رہتا ہے یہاں
اُسکو حق ہے پُر سکونِ جاوداں

ضبطِ نفس و عقل و دل پر جسکو ہو
ایسی مضبوطی میسر جس کو ہو

وہ کبھی اعمال میں پھنستا نہیں
اُلفتوں کے جال میں پھنستا نہیں

بعد مرگِ ناگہاں وہ خوش خصال
مجھ میں پاتا ہے ہمیشہ کو وصال

خداوندِ مطلق اور ارجن کے مکالمات سے سانکھیہ یوگ پر مشتمل
مقدّس گیتا کا جو سبر علمِ الٰہی خلاصہ رموزِ معرفت
اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے.
اور جسے پنڈت نظرؔ سوہانوی نے
اُردو نظم کا لباس دیا ہے
دوسرا باب ختم
ہُوا

باب سوم

عرض کی ارجن نے اے جانِ جہاں
موجبِ ہر آشکارا و نہاں

آپ کے ذوقِ تعلّم میں اگر
علم کو ترجیح ہے اعمال پر

تو مجھے اس فعلِ خوں آشام کی
ہیبتوں سے پُر جنونی کام کی

دیتے ہیں ترغیب و دعوت آپ کیوں
کس لئے کہتے ہیں کر اپنوں کا خوں

آپ کے ان مختلف اقوال سے
میرے جوش و ہوش ہیں پامال سے

چھا رہی ہیں وہم کی تاریکیاں
مٹ گئیں ہیں عقل کی باریکیاں

آپ اب اے ہر دو عالم کے مکیں
ایک ہی بات ایسی کہئے پُر یقیں

جس میں میری بہتری ہو سربسر
کشتِ خشکِ دل ہری ہو سر بسر

یوں ہوا ارشاد ذاتِ سرمدی
اے گنہ سے پاک دُور از بدی

اس جہاں میں بہرِ تسکینِ نجات
دو طرح کے ہیں اصولِ پُر حیات

جو ابھی تجھ سے بیاں میں نے کئے — جو ابھی تجھ پر عیاں میں نے کئے

ایک علمِ عارفانِ باکمال — ایک طرزِ واصلانِ خوشخصال

سانکھ کے اقوال پر بے قیل و قال — عارفوں کا ترکِ اعمال و خیال

واصلوں کا بے غرض اعمال پر — دھیان رکھنا یوگ کے زیرِ اثر

کوئی ترکِ فعل ہی سے بالیقیں — فعل سے آزاد ہو سکتا نہیں

کیونکہ جو بیکار ہے ننگِ وجود — خاک سمجھے گا وہ رازِ ہست و بود

کوئی انساں بھی یہاں اے ہمنشیں — ایک پل بیکار رہ سکتا نہیں

مادّے کی فطرتِ افعال خیز — فعل سے کرنے نہیں دیتی گریز

سب کو جبراً کام کرنا پڑتا ہے — اپنی اس فطرت پہ مرنا پڑتا ہے

جو بشر جو کورِ چشمِ عقل و دل — جہل پروردہ ہیں جسکے آب و گل

روک کر ظاہر میں اپنے سب حواس — آرزوؤں کا کیا کرتا ہے پاس

دل ہی دل میں لذّتوں پہ ہو نثار — نفسِ امّارہ کا ہوتا ہے شکار

ایسا بد باطن خرد سے دُور ہے — بندۂ مکر و فریب و زور ہے

سب حواسِ جسم کو جو پاک گِل — لاکر اپنے تابعِ فرمانِ دِل

بے غرض ہو کر کیا کرتا ہے کام — فعل سے آزاد ہے وہ لاکلام

اُس کا کیا کہنا ہے اُسکی بات کیا — اُسکو سب یکساں ہے دِن کیا رات کیا

فرض ہیں جو فعل اُنھیں پورا کرو — ہر دم اپنے فرض کا تُم دم بھرو

کیونکہ بیکاری سے ای اعلیٰ نژاد — کام کرنے کے مراتب ہیں زیاد

فعل ہی سے ہے بہارِ زندگی — فعل ہی پر ہے مدارِ زندگی

فعل ہیں جو اور جزو افعالِ فرض — دام ہیں بہرِ جہانِ طول و عرض

اِسلئے جو فرض پر مبنی ہیں کام — تم اِنھیں انجام دو بے صبح و شام

یہ جہاں یہ زندگانی کی بہار — جب ہوئی برہما کے دم سے آشکار

تب یہ فرمایا تھا اُسنے ہو کے شاد — اے مری صنعت کے اجسام و نہاد

اپنا اپنا فرض تُم پورا کرو — لالہ زارِ بود میں پھُولو پھَلو

فرض پر مبنی کرو گے تم جو کام
دل کی اُمیدیں بر آئینگی تمام

جو عمل ہیں فرض اُنھیں انجام دو
دیوتاؤں کو مناؤ خوش کرو

فرض پر یوں مستعد جب پائینگے
دیوتا تم پر کرم فرمائینگے

اسطرح مل جل کے تم آپس میں سب
خوش رہو زندہ رہو غیر از تعب

نیک کاموں سے تمہارے ہو کے شاد
دیوتا دینگے دُعائے زندہ باد

اور تم پر ہر کرم فرمائیں گے
نعمتوں کی بارشیں برسائینگے

لیکن اُن کا یہ عطیہ جو بشر
خود اُڑا جاتا ہے بیخوف و خطر

اپنے استعمال سے پہلے انھیں
نذر شکریہ نہ دے ہر حال میں

وہ سراسر جہل کا ہمدرد ہے
بے وفا ہے چور ہے شب گرد ہے

بعد نذرِ نوریانِ تابناک
جسقدر باقی رہے سامانِ پاک

اُس کو جو انسان استعمال میں
لائے پائے راحتیں ہر حال میں

ہو رہے افکار عصیاں سے بری
آفتِ غم بارِ عصیاں سے بری

صرف اپنے ہی لئے اے نیکنام — گرم کرتا ہے جو مطبخ صبح و شام
وہ گناہ آلود کھاتا ہے گناہ — میری منزل سے ہے وہ گم کردہ راہ
زندگی باقی ہے غلے سے ظہور — اور غلہ مینہ سے اے باشعور
مینہ برستا ہے ہون کے دود سے — اور ہون ہے فعلِ حق افزود سے
فعلِ حق افزود نکلے وید سے — اور وید پاک حق کے بھید سے
چونکہ ذاتِ حق ہے ہر جا جلوہ گر — فرش کے نیچے زمیں پر عرش پر
اسلئے وہ نورِ حسن افزائے خاک — ہر جگہ ہے حامئ افعالِ پاک
نیک عملوں کا ہے یہ جو سلسلہ — جس کے باعث کُل جہاں پیدا ہوا
اِس سے جو اِنسان کرتا ہے گریز — اُس کی ہستی ہے سراسر خاک بیز
وہ ہمیشہ نفس کا رہ کر غلام — زندگی کرتا ہے عصیاں میں تمام
جو بشر دل سے ہے محوِ روح و ذات — عشق ہے جس کی تمنّائے حیات
صبر و تسلیم و رضا ہے جس کی خو — کیفِ باطن سے ہے میرا رازِ جو

وہ بڑا خوش بخت ہے دِل شاد ہے
بندشِ افعال سے آزاد ہے

نفع و نقصاں سے ہے بالکل بے نیاز
اُس کا دِل ہے بے غرض بے امتیاز

اِسلئے تم بھی ادائے فرض پر
بے غرض بے آرزو باندھو کمر

کیونکہ جو انساں تمنّاؤں سے دُور
فرض ادا کرتا ہے اپنا بے قصور

وہ جہانِ غم میں بے رنج و قلق
ہے نجاتِ جاوداں کا مستحق

پاک دِل راجہ جنک سے تاجدار
عارفانِ حق میں ہے جن کا شمار

فرض ادا کرتے رہے ہیں عُمر بھر
اِسلئے تم بھی چلو اِس راہ پر

پیروی اسلاف کی کرتے رہو
فرض کی دیوی کا دم بھرتے رہو

نیک بندوں کا ہے جو طرزِ عمل
سب اُسی پر گامزن ہیں بے خلل

عینِ حق اُن کے تصوّر میں جو ہے
وہ عمل نقشِ حجر اوروں کو ہے

یاد رکھّو تینوں جہانوں میں مجھے
واسطہ کچھ بھی افعال سے

کوئی فکر و آرزو مجھ کو نہیں
کونسی شے ہے میسّر جو نہیں

پھر بھی فرض اپنا ادا کرتا ہوں میں　　فرض سے ظرفِ عمل بھرتا ہوں میں

ہیں اگر اندازِ غفلت چھوڑ کر　　ہوں کمر بستہ نہ اپنے فرض پر

تو یہ سب اہلِ جہاں سب آدمی　　بالیقیں میری کرینگے پیروی

کام کرنا ترک کردوں میں اگر　　یہ جہاں اک پل میں ہو زیروزبر

ختم ہو جائے مکانِ ہست و بود　　نسلِ عالم اور عالم کا وجود

اِس طرح میں ہی بنوں گا بالیقیں　　باعثِ ہنگامۂ مرگ آفریں

جس طرح ہر جاہل و ناداں بشر　　فعل کرتا ہے بر اُمیدِ ثمر

بس یُونہی ہر عالم و ہر ہوشمند　　جن کو ہے بہبودیٔ دُنیا پسند

نیک ارادوں سے کیا کرتے ہیں کام　　بے غرض ہیں صرف بہبودِ انام

کوششیں کرتے ہوئے بہرِ نجات　　عارفانِ حق کو لازم ہے یہ بات

گمراہوں کو لائیں راہِ فرض پر　　یوں کہیں سب سے عمل کر فعل کر

کام کرنے کا دِلائیں حوصلہ　　نیک عمالی کا بتلائیں صلہ

کیونکہ جتنے فعل ہیں پیدا یہاں
جوہر قدرت کے ہاتھوں ہیں عیاں

جہل سے جن کے ہیں دل تاریک تر
کبر کے پردے پڑے ہیں عقل پر

وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم ہیں وجہ کار
فعل پر حاصل ہے ہم کو اقتدار

جز ہمارے فعل کا فاعل ہے کون
ہم نہیں تو دوسرا فاعل ہے کون

چونکہ افعال و صفات مادہ
ہیں الگ مجھ سے مرے دم سے جدا

اس لئے جو پاک باطن ہے بشر
ان میں پھنستا ہی نہیں جان کر

یہ صفاتی کھیل بس آپس میں ہے
سخت ناداں ہے جو اس کے بس میں ہے

جو صفات مادہ کے ہیں غلام
مست جو فعل و صفت کے ہیں مدام

ایسے کم فہموں کو مرد حق نما
اُن کے رستے سے نہ بہکائیں ذرا

اسلئے اے ارجن فرخندہ فال
باندھ کر تم ذات برحق میں خیال

اپنے سارے فعل مجھ کو نذر دو
بے غرض ہو کر مری پوجا کرو

الفت و اُمید و تکلیف و خوشی
چھوڑ کر ان سب کی تم دل بستگی

کوروؤں سے بے خطر ہو کر لڑو
ان کے سر پر برق بن کر گر پڑو

وہ عقیدت مند و پاکیزہ بشر
جنکا دِل ہے میرے اِس ارشاد پر

محبسِ افعال سے آزاد ہیں
محوِ ذاتِ سرمدی ہیں شاد ہیں

میری اس تلقین سے جو خوش نہیں
میری باتوں پر نہیں جنکو یقیں

یاد رکھو اُن کا دِل ہے بے قرار
دامنِ عقل و خرد ہے تار تار

سربسر جاہل ہیں وہ نادان ہیں
بدنظر بدبخت بدایمان ہیں

اپنی فطرت کے مُطابق روز و شب
عالم و جاہل عمل پیرا ہیں سب

اپنی اپنی فطرت و عادت کے ساتھ
کام کرنے کے لئے اُٹھتا ہے ہاتھ

جبر کچھ بھی ہو نہیں سکتا یہاں
ضبط کو اِس جبر پر قدرت کہاں

کیونکہ ہے مجبورِ فطرت ہر بشر
فعل سے دشوار ہے کرنا حذر

جسم میں موجود ہیں جتنے حواس
مختلف لذات کا ہے سب کو پاس

شوق و نفرت اِن کی خاصیت میں ہے
جن سے حاصل کلفتیں ہیں پے بہ پے

اِس لئے دونوں کو دشمن مان کر
تم رہو اِن سے ہمیشہ دُور تر

لاکھ اپنا فرض رتبے میں ہو کم
فکر اِس کی کیا ہے اے عالی ہمم

کیونکہ اپنا فرض ہے پُر عز و شاں
دُوسرں کے فرض اعلیٰ سے یہاں

زِندگی ہے فرض ادا کرنے کا نام
زِندگی ہے فرض پہ مرنے کا نام

لیکن اے ارجن ادائے فرضِ غیر
آپ اپنی ذات سے کرنا ہے بیر

عرض کی ارجن نے اے ربِّ علا
ہر جگہ ہر چار سو جلوہ نما

آدمی کی جب نہ مرضی ہو نہ چاہ
کون اسے کرتا ہے تحریکِ گناہ

مدعا سے دُور تر دیوانہ وار
ہے یہ کس کے جبر سے عصیاں شعار

سُن کے عرضِ ارجنِ سینہ سپر
رحمتِ اللہ آئی جوشش پر

جس سے ہر انسان عصیاں کوش ہے
اِس کا باعث طیش ہے یا جوش ہے

شوق سے پاتے ہیں یہ دونو ظہور
ڈالتے ہیں عقل انساں میں فتور

یہ زبردستی کراتے ہیں گناہ
اِن سے ہر انسان ہے گم کردہ راہ

شوق کا یہ جذبۂ ناپاک تر ہے بڑا عصیاں شعار و بد گہر
ہے یہی تو دشمنِ ایمان و دیں دُور رہنا چاہیئے اِس سے کہیں
آئینہ کو زنگ آتش کو دھواں جس طرح رکھتا ہے ظلمت میں نہاں
یا حمل کا پردۂ باریک تر بطنِ مادر میں ہے جسمِ طفل پر
شوق کا یہ جذبۂ ناپاک بھی علم کو رکھتا ہے در پردہ یونہی
یہ وہ آتش ہے کہ اے پاکیزہ خو سیرِ دنیا کو جلا کر بھی نہ ہو
عالموں کا ہے عدوئے جاں یہی علم کو رکھتا ہے بس پنہاں یہی
اِس کا مسکن ہیں دل و عقل و حواس ہے اسی سے آدمی حق ناشناس
یہ ستمگر ان حواسوں کے سبب علم پر رہتا ہے قابض روز و شب
روح کو بھی یہ فسوں سازِ ہوس خوگرِ لذت بنا لیتا ہے بس
اِس لئے لازم ہے سب سے پیشتر نفسِ امّارہ کو مارو باندھ کر
کیونکہ یہ ہے دشمنِ علم و عمل ہے اسی کے دم سے سب نقص و خلل

یاد یہ نکتہ رہے اے خود شناس
جسم سے برتر ہیں جسمانی حواس

اور اِن سے دِل کا رتبہ ہے بلند
دل سے افضل تر ہے عقلِ حق پسند

عقل سے برتر ہے رُوحِ پاک ذات
جسکی فطرت ہے حیاتِ پُر نجات

اِس طرح اے ارجن پاکیزہ خو
عقل سے برتر سمجھ کر روح کو

اضطرابِ دِل کو اپنے تھام کر
شوق کے جذبوں سے رہ کر دور تر

محو ہو جاؤ خیالِ ذات میں
جلوہ حق میں جمالِ ذات میں

خداوندِ مطلق اور ارجن کے مکالمات سے کرم یوگ خیالات پر مشتمل
مقدس گیتا کا جو سر لسبر علم الٰہی خلاصہ رموزِ معرفت
اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے۔
اور جس کو پنڈت منظر سوہانوی نے اُردو
نظم کا لباس دیا ہے
تیسرا باب ختم ہوا

باب چہارم

یوں ہوا ارشادِ خلّاقِ جہاں
اے فدا کارِ حیاتِ جاوداں

یہ نہ مٹنے والا علمِ حق جو ہے
رازِ خفیٔ قادرِ مطلق جو ہے

اس کو آغازِ جہاں میں اوّلیں
میں نے سورج سے کہا تھا بالیقیں

اور سورج نے منو سے سربسر
کہ سنایا تھا یہ علمِ پاک تر

پھر منو نے اکشواکو سے کہا
حق کا یہ چشمہ یونہی بہتا رہا

اس طرح سے میں نے جو بتلایا تھا
راج رشیوں تک پہنچتا آیا تھا

لیکن اے ارجن یہ علمِ باطنی
ایک مدّت سے تھا سرِّ صد خفی

بھول بیٹھے تھے سب اہلِ دل اسے
کر چکے تھے نفی میں شامل اسے

آج میں نے پھر وہی علمِ قدیم
کہہ سنایا ہے تجھے دانا ندیم

تُو کہ ہے میرا فدا کار و حبیب
یُوں کہا ہے تجھ سے یہ رازِ عجیب

سُن کر ارشادِ زبانِ سرمدی
بن گیا ارجن سراسر حیرتی

عالمِ حیرت میں وہ حیرت نبات
بول اُٹھا یہ ہے بڑی حیرت کی بات

آپ تو دنیا میں آئے ہیں ابھی
اور سورج کو بڑی مدت ہوئی

مان لوں کیونکر کہ یہ علم و عمل
آپ نے اسکو دیا پہلے پہل

جب سُنی ارجن سے یہ حیرت کی بات
گوہر افشاں یُوں ہوئی وہ پاک ذات

میں بھی اور تو بھی ہوئے ہیں آشکار
اس جہاں میں اس زمیں پر بار بار

فرق اتنا ہے کہ اِن اجسام سے
قالبوں کی ہر سحر ہر شام سے

تو نہیں آگاہ میں آگاہ ہوں
کیونکہ تو بندہ ہے میں اللہ ہوں

گو کہ میں خلق و فنا سے دُور ہوں
ہر جگہ موجود ہوں مستور ہوں

اس جہاں کا مالکِ برحق بھی ہوں
لایزال و قادرِ مطلق بھی ہوں

پھر بھی اپنی قدرت و تقدیر سے
اپنے جلوے اپنی ہی تنویر سے

بس میں لاکر اپنی مایا کی ادا
ہوتا رہتا ہوں یہاں جلوہ نُما

لوگ جب بھی میری فطرت کے خلاف
نفس کے صحرا کا کرتے ہیں طواف

نیکیاں گھٹتی ہیں بدیاں بڑھتی ہیں
دہرم کے سر پر یہ کافر چڑھتی ہیں

حسن مٹ جاتا ہے جب ادراک کا
تب لیا کرتا ہوں قالب خاک کا

نیک بندوں کو بچانے کے لئے
خود پسندوں کو مٹانے کے لئے

چاک کرنے کو لباسِ جور و کیں
پاک کرنے کو دلِ دین و یقیں

ہر زمن ہر دور میں اے حق نگر
قالبِ خاکی میں ہو کر جلوہ گر

رولتا ہوں گوہرِ انوار میں
کھولتا ہوں دھرم کے اسرار میں

میری اس قدرت سے جو آگاہ ہیں
وہ تناسخ سے بری واللہ ہیں

ان کرشموں کے جو رازِ اصل سے
باخبر ہیں خوش ہیں میرے وصل سے

اس طرح ایسے بشر جن کی یہاں
دور ہیں بیم و رجا سے ہستیاں

جو نہیں جلتے غضب کی آگ میں
مست رہتے ہیں لگی کی لاگ میں

اور نہیں کرتے ہیں مجھ سے انحراف
علم بر حق سے وہ ہو کر پاک صاف

یاد رکھتے ہیں سدا دِل میں مری
مجھ سے آ مِلتے ہیں منزل میں مری

جس طرح مجھ سے کوئی کرتا ہے پیار
جس ادا سے مجھ پہ ہے کوئی نثار

حسبِ نیّت میں اُسی انداز سے
ثمرۂ افعال دیتا ہوں اُسے

اِسلئے سب طالبانِ پاک تن
ہیں مرے طرزِ عمل پر گامزن

میری منزل کے قدم پیما ہیں سب
میرے حُسن و ناز کے شیدا ہیں سب

خواہشوں پر جو ہمیشہ مرتے ہیں
دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں

کیونکہ اِس دُنیا میں ان افعال سے
شوق کے ارماں زدہ اعمال سے

آرزو ہوتی ہے پوری جلد تر
آبرو مِلتی ہے بے خوف و خطر

شُدر و ویش و چھتری و برہمن
چار ذاتیں ہیں جو مشہورِ زمن

اِن کو فعلی و صفاتی راز سے
میں نے ہی قسمت کیا آغاز سے

سب کا خالق میں اگرچہ ہوں ضرور
سب میں ہوں لیکن علائق سے ہوں دور

فعل مجھ پر کچھ اثر کرتے نہیں
میں نہیں ان کے نتائج کا رہین

اِس طریقے سے جو محرم ہیں مرے ۔۔۔ صاحبِ دل اور ہمدم ہیں مرے
دام میں افعال کے آتے نہیں ۔۔۔ دِل پہ یہ چرکا کبھی کھاتے نہیں
اِس سے پہلے بھی جہانِ ہست میں ۔۔۔ اِس خراباتِ بلند و پست میں
سینکڑوں ہی عارفوں نے جانِ من ۔۔۔ اُن مسائل پر لگا کر اپنا من
فعل ایسے ہی کئے بہرِ نجات ۔۔۔ ہو رہے ہے غوطہ زنِ نہرِ نجات
اِس لئے تو بھی وہی افعال کر ۔۔۔ کرتے آئے ہیں سلف جو پیشتر
عقل پر جن کو بہت کچھ ناز ہے ۔۔۔ عرش جن کو فرش پا انداز ہے
امتیاز اِس میں نہیں اُن کو ذرا ۔۔۔ کیا ہے کرنا اور نہیں کرنا ہے کیا
فعلِ نیک و بد میں ہو تمیز کیا ۔۔۔ فعل و ترکِ فعل ہیں بس چیز کیا
ایسی کاوش سے بچاتا ہوں تجھے ۔۔۔ فعل کیا ہے یہ بتاتا ہوں تجھے
تاکہ فعلِ بد سے ہو تو دور تر ۔۔۔ اور بہرِ جنگ ہو سینہ سپر
فعل کے اقسام ہیں اے پُرخرد ۔۔۔ ترکِ فعل و فعلِ نیک و فعلِ بد

غور کے قابل ہے یہ عنوانِ فعل
کیونکہ مشکل ہے بہت آسانِ فعل

فعل و ترکِ فعل کو باہمدگر
لازم و ملزوم سمجھے جو بشر

ہے وہی نکتہ رسِ عرفانِ حق
ہے وہی وابستۂ دامانِ حق

فعل پر قدرت اُسے حاصل تو ہے
کچھ نہیں پہلو میں لیکن دل تو ہے

فعل جس کے ہیں یہاں بے آرزو
جسکو خواہش کچھ نہیں ہے آپکو

آتشِ عرفاں سے جس کے فعل سب
جل گئے ہیں حق پرستی کے سبب

اُس کو عارف جانِ عرفاں کہتے ہیں
تر زباں اُس کی ثنا میں رہتے ہیں

دل ہے جسکا فعل کے حاصل سے دور
اور تمنائیں ہیں جسکے دل سے دور

ذاتِ برحق کے سوا جو پاکِ دیں
آسرا اغیار کا لیتا نہیں

فعل کی فطرت کا دم بھرتا ہوا
کچھ نہیں کرتا ہے وہ کرتا ہوا

نفس پر قابو ہے جسکو سر بسر
خواہشِ لذات سے ہے دور تر

عشرتِ فانی سے بے پروا جو ہے
بے نیازِ لذتِ دنیا جو ہے

وہ اگرچہ فعل کا فاعل بھی ہو
اس جہانِ فعل میں شامل بھی ہو

مورِدِ عصیاں نہیں ہوتا کبھی
فعلِ ورد اماں نہیں ہوتا کبھی

کلفت و آلام یکساں ہے جسے
یارِ دلبر دشمنِ جاں ہے جسے

کام بنتا ہو تو خوش ہوتا نہ ہو
فائدہ گر کچھ نہ ہو روتا نہ ہو

وہ موحّد فعل سے آزاد ہے
مست ذاتِ سرمدی ہے شاد ہے

لَو لگائے ہے جو حق کی ذات سے
دُور تر ہے دہر کی لذّات سے

فعل کے ثمرہ کا شیدائی نہیں
علم حیں کے دِل کا ہے نقش و نگیں

اس طرح جو یگیہ کی خاطر مدام
کام کرتا ہے جہاں میں صبح و شام

درحقیقت کچھ نہیں کرتا ہے وہ
ختم کر لیتا ہے بحثِ فعل کو

ذات ہی سامان ہون کا ہے آئے
ذات ہی ارماں ہون کا ہے اُسے

ذات ہی آتش ہی اسمیں فرات ہی
جل رہی ہے بن کی تِل جَو اور گھی

فعل و فاعل روغن و نار و مکاں
ذات ہی اُسکے لیے سب ہیں عیاں

اِس طرح بچکر وہ تکلیفات سے
وصل ہوتا ہے خدا کی ذات سے

کوئی عارف ثمرۂ افعال کی
آرزو رکھتا ہے اے مردِ جری

اِسلئے وہ لذتوں پر مرتا ہے
دیوتاؤں کی پرستش کرتا ہے

اور کوئی ثمرۂ افعال کو
جانتا ہے گلشنِ بے رنگ و بو

کام کرتا ہے بغیر از آرزو
میں ہوں بس اُسکی نظر میں چارسو

ضبطِ نفسانی کی آتش میں کوئی
پھونک دیتا ہے حواسِ عنصری

یوں گلِ تسلیم کی بو پاتا ہے
نفسِ امارہ پہ قابو پاتا ہے

اور کچھ عالم کہ ہیں جو خود شناس
سب حسوں سے لیتے ہیں کارِ حواس

لیکن ان کے دام میں پھنستے نہیں
مست ہیں روتے نہیں ہنستے نہیں

اور کچھ عابد ہیں ایسے نیک خو
جو حواس و سانس کے افعال کو

پھونکتے ہیں آتشوں میں گیان کی
کرتے ہیں طے منزلیں عرفان کی

کوئی عابد ہے کوئی مرتاض ہے
کوئی زاہد ہے کوئی فیاض ہے

کوئی عالم۔ علم کا طالب کوئی
اپنے قالب میں ہی بے قالب کوئی

یہ سبھی ہیں عارفِ عرفاں نواز
اِنکے دِل ہیں روشنِ انوارِ راز

کچھ ہیں ایسے عابدِ اسرا آہیں
آشنا زیر و بم دم سے نہیں

حبسِ دم کی آتشوں سے یک قلم
سوخت کر دیتے ہیں سب دُنیا کے دم

روکتے ہیں سانس کی حرکات کو
کرتے ہیں یُوں ضبطِ نفسِ فتنہ خو

اور کچھ ہیں شاغل پئے ضبطِ حواس
کم خوری سے کرتے ہیں خواہش کا ناس

یہ سبھی عامل ہیں پاکیزہ مزاج
اِنکے دِل ہیں چشمۂ صد ابتہاج

یگیہ سے بچتا ہے جو آبِ حیات
پیتے رہتے ہیں اُسے جو پاک ذات

ایسے کامل واصلِ حق ہوتے ہیں
ایسے عامل شاملِ حق ہوتے ہیں

کیونکہ اِس منزل میں ہے راہِ نجات
یہ وہ پانی ہے کہ ہے آبِ حیات

یہ مشاغل جسقدر ہیں سب کے سب
وید سے نکلے ہیں بہرِ حمدِ رب

اور یہ جُز فعل ہو سکتے نہیں
تم کو لازم ہے کرو اِس پر یقیں

اس یقیں سے پاؤ گے راہِ نجات
تم کہ ہو پاکیزہ دل پاکیزہ ذات

فیض پر ہے علمِ حق کو برتری
ہے اسی پہ انتہا ہر فضل کی

عجز و الفت سے کرے تو گر سوال
سر جھکا کر پیش پائے اہلِ حال

علمِ حق کا وہ تجھے دینگے سبق
تو ہے کیا شے اور کیا ہی نیرا حق

پھر تجھے یہ وہم ہو سکتا نہیں
اپنے بیگانے کو رو سکتا نہیں

پھر تو دیکھے گا کہ یہ فانی جہاں
جیسا مجھ میں ویسا ہی تجھ میں ہے یہاں

گو بڑے سے ہو بڑا عصیاں شعار
علمِ حق کی ناؤ پہ ہو کر سوار

پار ہو گا بحرِ عصیاں موج سے
منزلِ حق میں رہے گا موج سے

شعلۂ آتش سے جیسے آگ ڈھاک
ایک پل میں جل کے ہو جاتے ہیں خاک

آتشِ عرفاں سے اے ارجن یونہی
راکھ ہو جاتی ہے سب اعمال کی

اس جہانِ معرفت سے پاک تر
کوئی بھی تو شے نہیں اے باخبر

صدق سے کرتا رہا جو پاک خو
مدتوں تک علمِ حق کی جستجو

خود بخود اِس علم سے پاتا ہے نور
دیکھتا ہے دِل میں خالق کا ظہور

صدق و ضبطِ نفس سے اِس علم پر
پاتے ہیں قدرت مگر اہلِ نظر

کیونکہ جو اِس علم میں کامل ہوا
ہر سکونِ دِل اُسے حاصل ہوا

لیکن اے ارجن جو ناداں ہیں یہاں
جاہل و بد اعتقاد و بدگماں

دائمی راحت اُنھیں ملتی نہیں
دو جگ سے اُن کے فنا ملتی نہیں

بیکسِ کاشانۂ دُنیا ہیں وُہ
بے بسر بر لذتِ عقبےٰ ہیں وہ

جس نے اے ارجن سکونِ دل کے ساتھ
بیخودانہ اندرونِ دِل کے ساتھ

علمِ باطن سے کیا ہے رفعِ شک
بھول بیٹھا فعل کے اسرار تک

ذات جس کی ذات میں مسرور ہے
وہ مکافاتِ عمل سے دور ہے

اِسلئے اے ارجن تیغ آزما
اپنے دِل سے جہل کے پردے اُٹھا

تیغِ عرفاں سے عذر و وہم کی
کاٹ دے گردن بلا حجت ابھی

کوروؤں سے لڑا ادائے فرض کر
ظالموں کو مار یا خود آپ مر

خداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے تمام افعال خدا کو
سونپنے پر مشتمل مقدس گیتا کا (جو سر بسر علمِ الٰہی
خلاصۂ رموزِ معرفت اور مکمل حقانی علوم کی الہامی
کتاب ہے اور جس کو پنڈت نظرؔ سوہانوی
نے اردو نظم کا لباس دیا ہے)
چوتھا باب
ختم
ہوا

باب پنجم ۵

عرض کی ارجن نے اے انوارِ جاں
باعثِ ہر آشکار او نہاں

آپ فرماتے ہیں ترکِ فعل کر
ساتھ ہی یہ چل عمل کی راہ پر

ترک بہتر ہے اگر افعال کا
پھر یہ اقرارِ عمل ہے چیز کیا

یہ تضاد آمیز باتیں چھوڑ کر
آپ فرمائیں وہ حرفِ حق اثر

جس سے ان دونوں کا رستہ صاف ہو
دور میرے دل سے شین و کاف ہو

سن کے عرضِ ارجنِ پر اضطراب
یوں ہوئی دُر بار ذاتِ حق جناب

ترکِ افعال اور ایجابِ عمل
ہیں نجاتِ ذات کی مشکل کا حل

ایک منزل کے ہیں یہ دو نو طریق
ان کے رہرو بحرِ حق کے ہیں غریق

لیکن اے ارجن خیالِ ترک پر
ہے عمل کو افضلیت سر بسر

درحقیقت ہے وہی تارک بشر
نفرت و الفت سے ہو جو دور تر

جو کسی سے دشمنی کرتا نہیں — قلب میں ما و منی بھرتا نہیں

درد و غم میں عیش میں آرام میں — عشرتوں میں کلفت و آلام میں

خوش نہیں ہوتا ہے گھبراتا نہیں — ایک عالم میں ہے عالم کا مکیں

شادماں ہے ہر بلند و پست میں — ہے وہی تارک جہانِ ہست میں

شاد ہوتا ہے وہ وصلِ یار سے — فیض پاتا ہے مرے دیدار سے

سچ اگر پوچھو تو جو نادان ہیں — بے خبر ہیں بیوقوف انسان ہیں

وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ ترک و عمل — ہیں جدا از یکدگر غیر از خلل

لیکن اے ارجن یہ نکتے کی ہے بات — ایک ان دونوں کی ہیں ذات و صفات

نام کو ان میں نہیں ہے اختلاف — یہ بھی راہِ صاف وہ بھی راہِ صاف

کیونکہ جو عالی نژاد اے صف شکن — دونوں رستوں سے ہو اک گام زن

اجر پاتا ہے وہ دونوں کا یہاں — تارک و سالک بہم ہیں راز داں

ترک سے پاتا ہے تارک جو عروج — ہے اسی رتبے کا سالک کو عروج

جو سلوک و جذب کے ہیں راز داں — جانتے ہیں ایک اِن کو بیگماں
اور سالک بھی وہی در اصل ہے — جس کا ان دونوں میں دل ذی فصل ہے
جذب کی اور ترک کی ہے اک زمیں — جو نہیں مجذوب وہ تارک نہیں
کوئی تارک جبکہ واصل ہو گیا — ذاتِ برحق میں وہ شامل ہو گیا
جذب میں ہو محو جس انساں کا دل — سر بسر ہے پاک جس کا آب و گل
مضطربِ دل جس کا بس میں آ گیا — جل گیا خرمن حواس و نفس کا
آپ ہی اپنا ہے جو جلوہ نگر — نیک و بد ہے جسکے دل سے دور تر
فعل کا فاعل بھی ہو تو ڈر نہیں — فعل کا کچھ بھی اثر اُس پر نہیں
جو بشر کھاتا ہوا پیتا ہُوا — زندگی کی شان سے جیتا ہُوا
دیکھتا سُنتا ہوا سوتا ہوا — سُونگھتا ہنستا ہوا روتا ہُوا
چشم و لب کو بند و وا کرتا ہُوا — لیتے دیتے میرا دم بھرتا ہُوا
بولتا چلتا ہوا اُبھرتا ہُوا — اوج پر چڑھتا ہُوا گرتا ہُوا

یہ سمجھتا ہے کہ میں فاعل نہیں — فعل میری ذات میں شامل نہیں
ہیں حواسِ ظاہری مصروفِ کار — میں ہُوں بالکل بیخود و بے اِنتشار
اس طرح ہو کر جو محوِ حالِ خویش — نذر کرتا ہے مجھے افعالِ خویش
پاک ہے عصیاں سے یُوں وہ خوش عمل — اندرونِ آب جُوں برگِ کمل
اپنے دِل کو پاک کرنے کے لئے — باک سے بے باک کرنے کے لئے
فعل کے ثمرہ سے ہو کر بے نیاز — فعل کرتے ہیں تمام آگاہِ راز
عقل و دِل جسم و حواسِ جسم سے — کام لیتے ہیں گذر اوقات کے
فعل کے اثمار سے پا کر نجات — قلبِ عارف ہوتا ہے مسرورِ ذات
جس کا دِل ہے مضطرب سیماب وار — ہر گھڑی ہے بے سکون و بے قرار
ثمرۂ افعال کا شیدا بشر — حرص و آزِ نفس کی تلقین پر
خواہشاتِ قلب کا ہو کر نثار — ہوتا ہے پیدا جہاں میں بار بار
ہر سزا و ہر جزا سے بے نیاز — دِل سے تارک جو ہو وہ آگاہِ راز

اِس مکانِ جسم میں بے مدعا
جس کے دروازے ہیں نوٗ اے دِلرُبا

کچھ نہیں کرتا کراتا وہ بشر
پُرسکونِ ذات ہے بے شور و شر

فِطرتِ اوّل سے یہ اِنساں نہیں
فعل کا فاعل نتائج کا رہیں

ذاتِ مطلق ذاتِ برحق سر بسر
فعل کے اشغال سے ہیں دُور تر

یہ تو سب اِس مادّہ کا کھیل ہے
عنصر و قدرت کا باہم میل ہے

روح جو اِنسان کے قالب میں ہے
نیک و بد اُس کے لئے ہیں نفیٔ شے

عِلم پہ یہ جہل کا پردہ ہیں ایک
ظُلمتوں کا نور پر سایہ ہیں ایک

جس سے انسانوں کو ہے وہم و گماں
دِل کے دیوانوں کو ہے وہم و گماں

عِلمِ حق سے جن کا یہ جہل و فتور
مِٹ گیا ہے ہو گیا ہے دِل سے دُور

عِلم اُن لوگوں کا مثلِ آفتاب
قلب کو دیتا ہے نورِ بے حجاب

یادِ حق میں جس کا دِل مسرور ہے
چشمِ جلوہ بیں وہ عینِ نور ہے

آسرا جس نے فقط اُس کا لیا
اپنا سب کچھ نذرِ خالق کر دیا

محویت میں ہے جسے لطف و سرور — بیخودِ حق ہے جو در غیب و حضور

داغِ دل آبِ حیاتِ علم سے — جس خدا پرور بشر کے دُھل گئے

وہ تناسخ کے قدم لیتا نہیں — زورقِ اُمید کو کھیتا نہیں

فیل۔ سگ۔ چنڈال۔ گائے۔ برہمن — جسکو یکساں ہیں یہ سب اے جانِ من

جس کو گوہر اور پتھر ایک ہیں — نیک و بد گُل اور اخگر ایک ہیں

وہ اگرچہ ہے جہانِ خوار میں — محو ہے لیکن جمالِ یار میں

رنج و راحت سے ہی بالکُل بے نیاز — شکل میں بندے کی ہے بندہ نواز

موت کے آغوش سے ہو کر جُدا — میرے دامن میں ہے سرمستِ بقا

چونکہ ذاتِ قادرِ مُطلق ہے ایک — نقص سے خالی جہاں میں حق ہی ایک

اس لئے وہ پاکبازِ زندگی — مجھ میں ہے جوں برق میں شعلہ خفی

وہ بشر وہ نیک خود وہ راز داں — میری منزل میں ملا جسکو مکاں

دامنِ صبر و رضا ہے جسکا پاک — رنج و راحت سے نہیں ہو سینہ چاک

ایسا عارف جس کا دل ہے پُرسکوں
ذاتِ حق ہے جس کی رہبر رہنموں

ماسوا سے کیا تعلق ہے اُسے
نفیٔ شئے ہے دہر کی ہر شئے اُسے

بے حواس و نفس ہی اُس کا وجود
بے اثر اُس پر ہی سب دید و شنود

وہ تو اپنے آپ میں سرمست ہے
بے غمِ فکرِ کشاد و بست ہے

ایسی راحت ہی اُسے ہر دم نصیب
جو مری رحمت کے ہی بے حد قریب

عشرت پُر لذتِ نفس و حواس
چونکہ لافانی نہیں اے خود شناس

اس لئے انجام ان کا درد ہے
اشکِ چشمِ تر ہے آہِ سرد ہے

چونکہ یہ سُکھ دیر تک رہتے نہیں
عارف ایسے سُکھ کو سُکھ کہتے نہیں

چشمِ باطن جس بشر کی وا ہوئی
زہر اُس کے حق میں یہ دنیا ہوئی

موت سے پہلے جو پاکیزہ نظر
پائے قدرت اپنے طیش و نفس پر

واصلِ حق در حقیقت ہے وہی
تاجدارِ ظلِ رحمت ہے وہی

جس کا جامِ دل ہے لبریزِ سرور
آفتابِ علم سے ہے نور نور

ہوتا ہے وہ نورِ حق سے جلوہ تاب
اور وصلِ سرمدی سے کامیاب

ہے رہا جو خواہشوں کے بند سے
نفسِ امّارہ کے مکر و فند سے

جسکو یکساں ہر بلند و پست ہے
ذات اُسی کی ذاتِ حق میں مست ہے

ہے اُسے راحت خیالِ ذات میں
محو ہے دل سے جمالِ ذات میں

عارفان و سالکانِ حق نواز
پاک باطن پاک فطرت پاکباز

وہم و جہل و نفسِ نافرماں سے دُور
سر بسر تاریکیٔ عصیاں سے دُور

فطرتِ دنیائے دُوں سے باخبر
دل کے اسرارِ سکوں سے باخبر

عشقِ حق جن کی ہر رگ ریشہ میں ہے
جنکو یکساں ہے یہاں ہر ایک شے

فیضیاب اُن کے کرم سے ہے جہاں
اُن کا حصّہ ہے نجاتِ جاوداں

شوق و نفرت جنکی فطرت میں نہیں
ذات پر ہے سر بسر جنکو یقیں

اضطرابِ قلب جنکا مٹ گیا
دستِ دیں سے نفس جنکا پٹ گیا

ہر جگہ ہر حال میں ایسے بشر
دیکھتے ہیں جلوۂ حق جلوہ گر

خوف و طیش و آرزو سے بے نیاز   گلستانِ رنگ و بُو سے بے نیاز
دنیوی لذّات سے مُنہ موڑ کر   نفسِ امّارہ کا رشتہ توڑ کر
کرتے ہیں قائم نگہ کو جو یہاں   اپنے دونوں ابروؤں کے درمیاں
ناک کے نتھنوں سے چلتی سانس کی   آنے والی جانے والی سانس کی
حالتیں بالکل برابر کرتے ہیں   دم کی یکساں چال کا دم بھرتے ہیں
اور حواس و قلب و نفس و عقل پہ   ضبط کے باعث ہیں غالب سر بسر
زندہ جاوید ہیں وہ بے گماں   ہیں مری فطرت کے میرے رازداں
اِس جہاں میں جانتا ہے جو مجھے   اپنا سب کچھ مانتا ہے جو مجھے
جس کے دِل میں ہو مرا نورِ جمال   جانتا ہے مجھ کو ربِ ذوالجلال
شاہدِ افعال سمجھا ہے مجھے   کرتا ہے نذرِ ادب ہر شے مجھے
ایسا پاکیزہ نہاد اے نامدار   وصل سے پاتا ہے تسکین و قرار

خداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے کرم سنیاس یوگ پر مشتمل مقدس گیتا کا جو سر بسر علمِ الٰہی۔ خلاصہ رموز معرفت اور مکمل حقانی عُلوم کی الہامی کتاب ہے اور جسکو پنڈت نظر سوہانوی نے اردو نظم کا لباس دیا ہے۔ پانچواں باب ختم ہوا

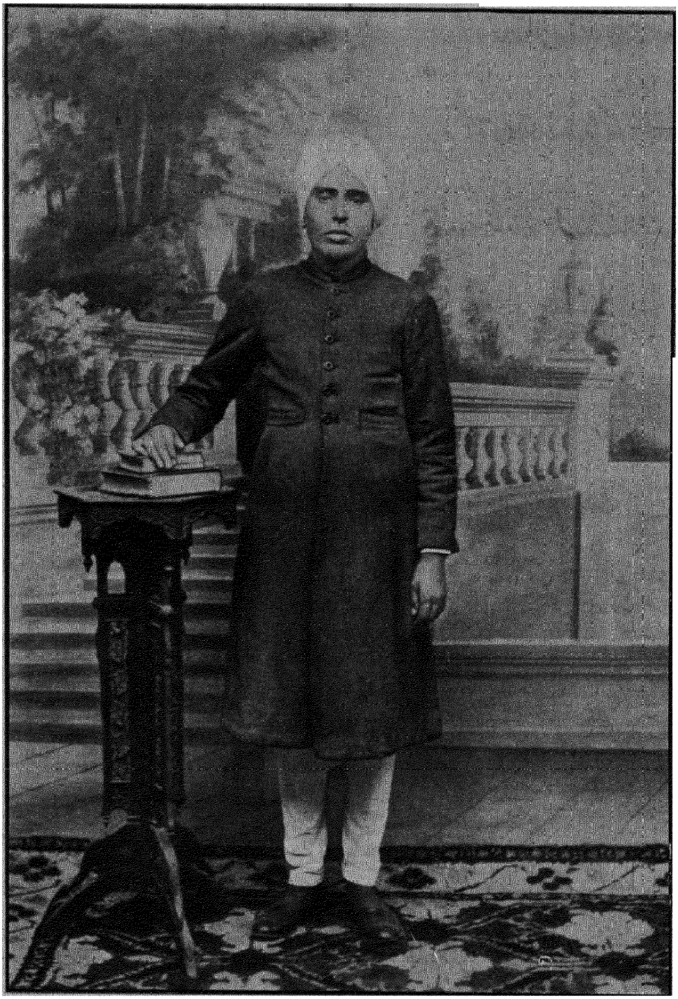

اس بے رخی سے جان تماشا نہ کام لے
اپنے گنہگار نظر کا سلام لے

باب ششم

پھر زبانِ حق ہوئی گوہر فشاں — اے نہالِ گلستانِ پانڈواں
فعل کے ثمرہ سے ہو کر بے نیاز — فعل کرتا ہے جو وہ آگاہِ راز
درحقیقت ہے یہاں تارک وہی — عابد و زاہد وہی سالک وہی
چھوڑ دے جو شرع کے آداب کو — جو بھلا دے شرطِ اسباب کو
وہ نہیں تارک فدائے حق نہیں — رازدارِ قادرِ مطلق نہیں
کیونکہ آدابِ شریعت چھوڑ کر — بے ثمر افعال سے منہ موڑ کر
کوئی تارک ہو نہیں سکتا یہاں — کوئی سالک ہو نہیں سکتا یہاں
ترک ہی وجہِ وصالِ ذات ہے — درحقیقت ترک و وصل اک بات ہے
کہتے ہیں سنیاس جسکو اہلِ حال — ہے وہی یوگ اصل میں اے باکمال
کوئی واصل وصل پا سکتا نہیں — دل سے جبتک دل مٹا سکتا نہیں

وصل کی اِس راہ پر اے جانِ من
ہونا چاہیے جو بشر بھی گامزن

فعل اِس کے واسطے اک فرض ہے
فعل اُس کی ذات پر اک قرض ہے

اور جب وہ چل پڑے اِس راہ پر
گامزن ہو منزلِ اللہ پر

قلب کے اپنے مٹا کر وسوسے
خواہشاتِ نفس کو بس میں کرے

کیونکہ جو ہے ضابطِ نفس و حواس
خواہشیں جسکے نہیں ہیں آس پاس

وصل کا حقدار شاغل ہے وہی
ذاتِ بے ہمتا میں شامل ہے وہی

ہر بشر کا فرض ہے اے شیر نر
ارتقا پر آپ خود باندھے کمر

دِل کو حسن و ذات سے پھرنے نہ دے
اور اپنے آپ کو گرنے نہ دے

دوست ہے جبتک ہے بے پندارِ دِل
دشمنِ جاں ہے جو ہے مختارِ دِل

ہر بشر ہے آپ گل بھی خار بھی
آپ ہی اپنا عدو بھی یار بھی

دِل ہے جسکا آپ اپنا یار ہے
دِل نہیں جسکا ذلیل و خوار ہے

کیونکہ اپنے آپ پر قابض ہے جو
ہے وہی آپ اپنا یارِ نیک خو

فتح جس نے آپ پر پائی نہیں
آپ ہی اپنا عدو ہے بالیقیں

جیت لیتا ہے جو اپنے آپ کو
شادماں رہتا ہے وہ پاکیزہ خو

راحت و تکلیف و گرم و سرد میں
عیش میں آرام میں دکھ درد میں

مست رہتا ہے برابر جان کر
محو ہو جاتا ہے اس عرفان پر

جسکو حاصل ہے یہاں علم و ہنر
خواہشاتِ دینوی سے ہے جو دور

بیغرض جس نے کیا خواہش کا ناس
کر چکا ضبطِ دم و ضبطِ حواس

یعنی خاک و زر برابر ہیں جسے
سنگ اور گوہر برابر ہیں جسے

جو برہمن اور شودر میں کبھی
کچھ نہیں کرتا تمیزِ زندگی

دوست اور دشمن برابر ہیں جسے
برق اور خرمن برابر ہیں جسے

جس کی آنکھوں میں برابر ہیں تمام
حاسد و محسود ظالم نیکنام

جسکو کثرت اور وحدت ایک ہے
جسکو ذلت اور عزت ایک ہے

واصلِ حق ہے وہی مردِ خدا
وہ جدا حق سے نہ حق اس سے جدا

چاہیے واصل کو ہر دم لاکلام　　گوشۂ کنجِ قناعت کا قیام
لذتوں کو خواہشوں کو چھوڑ کر　　سب تمناؤں سے رشتہ توڑ کر
وصل کی تکمیل میں مصروف ہو　　محو کر دے مجھ میں اپنے آپ کو
دیکھ کر کوئی بہت پاکیزہ جائے　　اُس پہ سلے اُرجن کُشا آسن بچھا
اور عمدہ سی کوئی مرگ چھال لے　　اُس کُشا آسن کے اُوپر ڈال دے
اِس طریقے سے یہ کہ جائے نشست　　مسکنِ آرام ہو بالا نہ پست
مست ہو کر اُس نشستِ پاک پر　　شادماں بیٹھے مثالِ دُرِّ تر
خواہشوں سے دُور محوِ ذات ہو　　قلبِ وحشی کو لگائے ایک سُو
آتم شدھی کے لئے سادھن کرے　　یوگ کی دیوی کا آواہن کرے
راست ہوں جسم و سر و گردن تمام　　مثلِ بُت ہو اور نہ لے ہلنے کا نام
پھر نظر کو سب طرف سے روک کر　　ناک کی اپنی جمائے نوک پر
ایسے عالم میں وہ مردِ باصبور　　خوف و طیش و شہوت و لذت سے دور

چھوڑ کر فکرِ بلند و پست کو — علمِ حق میں سرخوش و سرمست ہو
اس عمل کی مشق بس کرتا رہے — مجھ کو جانے میرا دم بھرتا رہے
اس طرح کے علم کا شیدا بشر — اپنے دل کو جیتنے والا بشر
مجھ میں ہے جو جلوۂ نورِ نجات — کرتا ہے حاصل اُسے اک خوش صفات
دور ہے اس سے فانی زندگی — اس کا حق ہے جاودانی زندگی
کم خور و پُر خور ہیں لیکن جو بشر — یا ہیں کم خواب و گراں خواب اکثر
وہ بشر منزل مری پاتے نہیں — ان کے دل میں رازِ حق آتے نہیں
کھاتا پیتا ہے جو اک انداز سے — باخبر ہے دل کی پاک آواز سے
قاعدے سے کام کرتا ہے جو سب — جاگنا سونا ہے جس کا بے تعب
وہ بشر گر مشقِ علمِ حق کرے — جلوۂ خورشید کا منہ فق کرے
ذات کا ہوتا ہے جب ادراک و فہم — دل سے مٹ جاتے ہیں سارے نقشِ وہم
جس بشر کا قلب بس میں آگیا — وہ نجاتِ جاودانی پا گیا

ایسا شاغل ہے چراغِ جلوہ ریز
دشمنِ تاریکی و ظلمت ستیز

جو ہوا سے ٹمٹماتا ہی نہیں
بھکبھکاتا لپلپاتا ہی نہیں

علمِ حق سے جس کا دِل فانی بو میں ہو
مست اپنے رنگ اپنی بُو میں ہو

بے طلب ہے دنیوی لذّات سے
دُور ہے درد و غم و آفات سے

محو ہو جاتا ہے اپنی ذات میں
فرق کچھ کرتا نہیں دن رات میں

کرتا ہے حاصل وہاں صبر و رضا
سُکھ کی ہوتی ہے جہاں پر اِنتہا

ایسا سُکھ جو علم میں مستور ہے
اور حواس و فعل سے جو دُور ہے

جس جگہ اک بار قائم ہو کے دِل
درد سے ہوتا نہیں بس مضمحل

جس کو پا کر دہر کی ہر ایک شے
دیدۂ حق بیں میں بے توقیر ہے

اور جس کے دِھیان میں شاغل بشر
سہتا ہے آلام بیخوف و خطر

کیسی ہی تکلیف ہو دُکھ درد ہو
شاد ماں رکھتا ہے اپنے آپ کو

اِس طرح کے عِلم میں جو مست ہے
اُسکو یکساں سب بلند و پست ہے

شغل ایسے علم کا بے شبہ و ظن　　لازمی ہے ہر بشر کو جانِ من

لیکن اتنا ہے کہ با صبر و رضا　　اس کو پہنچائے قریبِ انتہا

دل میں ہوں جو خواہشاتِ مختلف　　رفتہ رفتہ ان کو کر دے برطرف

تابعِ فرمانِ عقلِ حق سپاس　　ہر طرف سے کھینچکر اپنے حواس

جلوۂ دیدار میں مشغول ہو　　آپ عاملِ دیدِ حق معمول ہو

دیدۂ باطن سے دے پردہ اٹھا　　خود کو جانے واصلِ ذاتِ خدا

جس طرف کو یہ دلِ صد بے قرار　　خلوتِ دل سے کرتا ہو فرار

اس طرف سے اسکو واپس کھینچکر　　لائے اپنی ذات کے زیرِ اثر

مٹ گیا ہے جسکے دل کا اضطراب　　جسکا شوق و جوش ہے تصویرِ خواب

وصل ہے جو صافِ باطن ذات میں　　ہے برابر عیش و تکلیفات میں

اُسپہ ہو جاتی ہے سکھ کی انتہا　　ابتدا جس سکھ کی دکھ کی انتہا

اس طرح کے علم کا شاغل ہے جو　　جانتا ہے شغلِ استغراق کو

منزلِ حق میں وہ پاتا ہے قیام
واصلوں کو ہے جہاں ہستیٔ دوام

لیتا ہے کثرت میں وحدت کا مزا
جانتا ہے جزو و کل کو ایک سا

میں نظر آتا ہوں جسکو سر بسر
اور سب مجھ میں ہے آئیں نظر

وہ الگ مجھ سے جدا مجھ سے نہیں
غیر ممکن وہ کہیں ہو میں کہیں

میں ہی میں ہر چیز میں موجود ہوں
میں ہی اس عالم کی ہست و بود ہوں

جو موحد جانتا ہے یہ اصول
ہے مرا وصلِ دوام اسکو حصول

کچھ اثر اس پر نہیں اعمال کا
ٹوٹ جاتا ہے طلسم افعال کا

اپنے جیسا جانتا جو سب کو ہے
ایک ہی یکجا جانتا جو سب کو ہے

اپنے دکھ سے دوسروں کی تکلیفیں
کرتا ہے محسوس جو اس دہر میں

درحقیقت واصلِ کامل ہے وہ
ذات کی توحید میں شامل ہے وہ

عرض کی ادرحسن نے اے رب جہاں
باعثِ خلقِ زمین و آسماں

نورِ حق جو آپ نے چمکایا ہے
جسکو تسلیم و رضا اک سایا ہے

جس میں کثرت اور وحدت ایک ہیں
جسمیں ذلت اور عزت ایک ہیں

اضطرابِ دل سے اے ربِّ علا
میں سمجھنے میں لگے قاصر رہا

یعنی جبتک دل میں ہے یہ اضطراب
ضبطِ خواہش میں ہو کیونکر کامیاب

دل بڑا طاقت ور مضبوط ہے
شوق کا مجنون ہے مخبوط ہے

ایسے سرکش باد پا کا روکنا
ایسا ہے جیسے ہوا کا روکنا

سن کے ارجن کی یہ عرضِ مدعا
یوں گہر افشاں ہوئے ربِّ علا

تم جو کہتے ہو سراسر ہے بجا
دل بڑا ہے بیقرار و فتنہ زا

بس میں کر لینا اسے دشوار ہے
یہ بڑا موذی بڑا خونخوار ہے

لیکن اے ارجن علومِ باطنی
چھپنتے ہیں اس کی سب ما دمنی

مشقِ متواتر سے یہ پرجوشِ دل
لذتوں کے جام سے مدہوشِ دل

لایا جا سکتا ہے ضبطِ شوق سے
اپنے بس میں علمِ حق کے طوق سے

بس میں دل کو کر نہیں سکتا ہے جو
ناتواں ہے اور نہیں سکتا ہے جو

میں سمجھتا ہوں کہ وہ اِس علم پہ   پا نہیں سکتا ہے قُدرت عُمر بھر
پھر کہا ارجن نے اے ربِ ودود   خالقِ ارض و سما و ہست و بُود
ایسا شاغل جو عقیدت مند ہے   جس کا دل اس عِلم پہ خورسند ہے
لیکن اُس کا اضطراب و دردِ دِل   راحت و تکلیف و گرم و سردِ دل
شغلِ علمِ حق پہ بھی باقی رہے   مِٹ سکے دِل سے نہ زورِ مشق سے
شغل میں اپنے رہا ناکامیاب   پا سکا دل پر نہ قابو اے جناب
عِلم میں کامِل نہ ہونے کے سبب   کیا وہ کھو بیٹھا ہے اپنا سب کا سب
مرتبہ پاتا ہے کیا بعدِ فنا   کیا صِلہ مِلتا ہے ایسے شغل کا
ضبطِ شوقِ دِل نہ کرنے کے سبب   سب تمنائیں نہ مرنے کے سبب
دو نو عالم سے تو مِٹ جاتا نہیں   اپنے آخر پر تو پچھتاتا نہیں
ابر چھٹ کر جس طرح ہو بے نمود   یوں تو مِٹ جاتا نہیں اُسکا وجود
اے بِنائے دہر اے ربِ زمن   اے رحیم و اے خدائے ذوالمنن

آپ کی اک ذات برحق کے سوا　　کون کر سکتا ہے رفع شک مرا
میرے آقا میرے مولا جلد تر　　اپنے بندے پر ہو رحمت کی نظر
عرضِ خادم سن کر آئی جوش پر　　رحمتِ ذاتِ رحیم و پاک تر
یاد رکھ اے ارجنِ دشمن شکار　　ایسا شاغل ہو نہیں سکتا ہے خوار
شیوہ شغلِ علمِ حق جس کا رہا　　مدعا اوجِ افق جس کا رہا
ناس اس شاغل کا ہو سکتا نہیں　　اِس جہاں میں اُس جہاں میں ہر کہیں
کیونکہ راہِ نیک پر چلتے ہیں جو　　آگ میں عرفان کی جلتے ہیں جو
اُن کی ذلت ہو نہیں سکتی کبھی　　اور فنا اُن کو نہیں تکتی کبھی
بعدِ مُردن ایسا پاکیزہ نشان　　نیک کرداروں کی دُنیا ہے جہاں
اُس جہاں میں جا کے لیتا ہے جنم　　دیوتا ہیں جس میں یا عالی ہمم
مدتوں رہ کر وہاں آرام سے　　کر کے پورے اپنے دِل کے ولولے
واپس آتا ہے اسی دُنیا میں پھر　　ہوتا ہے عوّاص اسی دنیا میں پھر

ایسے کاشانے میں بیتا ہے جنم
جس میں ہو مایا کا دامانِ کرم

یا کسی واصل کے صہبا خانے میں
مثلِ مے بھر جاتا ہی پیمانے میں

کیونکہ اس دنیا میں ایسی زندگی
جو بشر پاتا ہے۔ پاتا ہے کبھی

وہ عمل وہ فعلِ پیشینہ جو ہیں
اس بشر کو پھر عطا کرتا ہوں میں

شغل اپنا اس نے چھوڑا تھا جہاں
سب اسے ملتا ہے یاد اے تیغ زاں

پھر سے وہ اس شغل کی تکمیل میں
محو ہو جاتا ہے کھو کر کلفتیں

ایسا شاغل لاتعد جنموں کے بعد
علمِ ربانی سے ہو کر پاک و سعد

جمع کر کے ثمرۂ اعمالِ نیک
جان کر اس کثرت و وحدت کو ایک

عارفِ کامل کا رتبہ پاتا ہے
زاہد و اصل کا رتبہ پاتا ہے

ایسا واصل عابد و زہاد پر
صاحبانِ عدل و فیض و داد پر

ہر طریقے سے فضیلت رکھتا ہے
ہر ذرہ کی حقیقت رکھتا ہے

اس لئے اے ارجنِ اہلِ نظر
تم بھی ایسے شغل پہ باندھو کمر

جس قدر شاغل ہیں مستِ جامِ شغل — جن کو حاصل ہو چکا انعامِ شغل

یاد رکھ یہ مسئلہ اُن سب میں بھی — پاک تر ہے اور افضل ہے وہی

نذر دے جو مجھ کو اپنی کائنات — ہو رہے میری رضا پر محوِ ذات

اپنا دِل میرے کرم پر چھوڑ دے

رشتۂ دُنیائے دُوں کو توڑ دے

خداوندِ مُطلق اور ارجن کے مکالمات سے آتم سنیاس یوگ

پر مُشتمل مقدس گیتا کا (جو سر بسر علمِ الٰہی خلاصۂ رموزِ معرفت

اور علمِ حقّانی کی الہامی کتاب ہے۔ اور جسے

پنڈت نظر سوہانوی نے اُردو نظم کا

لباس دیا ہے۔

چھٹا باب ختم

ہُوا

باب ہفتم

پھر زبانِ حق ہوئی کشافِ راز
ساز رحمت پاش سے نغمہ طراز

دل سے ہو کر میرے جلووں پہ نثار
لطف کا ہو کر مرے اُمید وار

شغلِ علمِ ایزدی کرتے ہوئے
مشقِ وصلِ سرمدی کرتے ہوئے

جس طریقے سے مجھے تم جان لو
میری فطرت کو مجھے پہچان لو

شبہ و ظن کو جس میں گنجائش نہ ہو
علمِ حق ہو رنج و آسائش نہ ہو

وہ اصولِ پاک بتلاتا ہوں میں
راز جو مخفی ہیں جتلاتا ہوں میں

جس سے ہو حق الیقیں جلوہ مرا
دیدہ و دل کے قریں جلوہ مرا

کیونکہ علمِ حق یہ ایسا علم ہے
سامنے جس کے نہیں کچھ علم شے

جانتا ہے جو بشر یہ علمِ ذات
جاننے کی پھر اُسے ہے کون بات

اننی دنیا میں فقط دو اک بشر
گامزن ہوتے ہیں میری راہ پر

لیکن ارجن ان فداکاروں میں بھی
جانتا ہے مجھ کو صرف ایک آدھ ہی

کیونکہ میں جیسا ہوں ویسا جاننا
سخت مشکل ہے مجھے پہچاننا

آب و خاک و آتش و باد و خلا
کبر و عقل و ذوقِ نفسِ پُربلا

ہشت جزو ہیں میری مایا کے یہی
جسم ہیں خلق و برایا کے یہی

یہ ہے میری قدرتِ ادنے صفات
اور بھی ہے ایک ذاتِ باصفات

آتما یا روح جس کا نام ہے
جس سے تابِ جلوۂ اجسام ہے

جس کا دم ہی اس جہاں کی زندگی
قالبِ کون و مکان کی زندگی

میری ان دو قدرتوں کے میل سے
روح کے اور مادہ کے تیل سے

ہوتا ہے روشن چراغِ کائنات
ہے سے بھرتا ہے ایاغِ کائنات

میں ہی اس دُنیا کی ہُوں وجہِ فنا
میرے ہی دم سے ہے عالم کو بقا

میری ہستی سے جدا کچھ بھی نہیں
میں ہی ہوں میں ہی ہوں یہ ہے یقیں

جس طرح گوہر ہوں در سلکِ گہر
یُونہی مجھ میں ہے یہ عالم سر بسر

رشتۂ سلکِ گہر ہوں بالیقیں — سب میں ہوں لیکن بظاہر کچھ نہیں
ذائقہ پانی میں ای ارجن ہوں میں — مہر و مہ میں جلوۂ روشن ہوں میں
اوم ویدوں میں خلا میں صوت ہوں — ہمتی بندوں میں ہمت کا جنوں
آگ میں ہوں سوز خوشبو خاک میں — زہد مرتاضوں کے شغلِ پاک میں
میں ہی اے ارجن ہوں جانداروں کی جاں — بوئے گل کی طرح سب میں ہوں نہاں
بیج ہوں میں کائناتِ دہر کا — جوش ہوں ہر موج کا ہر لہر کا
میں خردمندوں میں ہوں عقل و خیال — فر میں ہوں کسر شاہوں میں جلال
تاب والوں میں ہوں وہ تابِ تواں — شوق سے نفرت سے ہے جو بدگماں
میں وہ خواہش ہوں دلِ پُرشوق میں — محو ہو جو راستی کے ذوق میں
سلسلہ دنیائے ہست و بود کا — اور ہر موجود نا موجود کا
ہے جہاں تک مجھ میں ہی اسکا قیام — میں نہیں اُس میں وہ مجھ میں ہی تمام
بود و موجود و نمودِ زندگی — الغرض جو ہے وجودِ زندگی

میرے ہی دم سے ہوا ہے آشکار
مہر و مہ ارض و سما لیل و نہار

یہ جہاں اِن تین رنگوں کے سبب
غافل و مدہوش ہے بے فیضِ رب

ہے یہی باعث کہ سکّانِ جہاں
جانتے مجھ کو نہیں جانِ جہاں

کیونکہ میں ہوں چشمِ ظاہر بیں سے دُور
اِس جہانِ وہم و کبر آگیں سے دُور

میری یہ قدرت کہ عنصر دار ہے
ہے بڑی مضبوط آفت کار ہے

آسرا جنکو کرم کا ہے مرے
اک بھروسہ جنکو دم کا ہے مرے

پار کر جاتے ہیں یہ بحرِ صفات
بالیقیں ہوتے ہیں وہ مشمولِ ذات

فعلِ بد کا کرتے ہیں جو ارتکاب
ظالم و بد خصلت و غفلت مآب

دُور علم و عقل سے ناپاک دِل
مجھ کو پا سکتے نہیں وہ جہلِ گِل

شاغلوں کے بھی چہار اقسام ہیں
جو مری طاعت میں مستِ جام ہیں

آرزو پرور دۂ دنیا و دیں
بندۂ علم و معرفت کے رہگزیں

لیکن ان میں جو عقیدت کیش ہے
میرے حسن و ناز کا دلریش ہے

مشتاقِ علم وصل کا شیدا جو ہے — کوچۂ دلدار کا رسوا جو ہے
سب سے افضل ہو وہی ان چار میں — سب سے بہتر ہے جہانِ خوار میں
وہ مرا پیارا ہے میں اُس کا عزیز — میں ہوں اُسکا وہ مرا غیر از تمیز
یہ سبھی شاغل اگرچہ نیک ہیں — پاک ہیں پاکیزہ دل ہیں ایک ہیں
لیکن ان میں عارفِ کامل جو ہے — دل سے میری ذات پر مائل جو ہی
جانتا ہوں اپنا جیسا ہی اُسے — جس طرح کا میں ہوں ویسا ہی اُسے
کیونکہ اُس کے دل میں جلوہ ہو مرا — میرا عاشق ہے وہ شیدا ہے مرا
بہتریں ہے جو نجاتِ جاوداں — اس کا حق ہے بعد مرگِ ناگہاں
ایسا عارف سینکڑوں پشتوں کے بعد — مجھ میں مل جاتا ہے ہو کر پاک و سعد
گو بہت ہیں رہگرائے راہ نیک — ایسا واصل کوئی ہے لاکھوں میں ایک
اپنی اپنی فطرتِ اعمال سے — خواہشوں کا حظ اٹھانے کیلئے
لذتوں کے بس میں جاہل آدمی — بے خبر بے علم غافل آدمی

آرزو پوری کرانے کے لئے — حسرتیں دل کی مٹانے کے لئے
دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں — سایۂ انوار حق پر مرتے ہیں
جس عقیدے سے مجھے کوئی بشر — پوجتا ہے وہ ہمیں اے خوش نظر
حسب نیّت دیتا ہوں ثمرہ اُسے — تا اُسے پائے جو ہے پیارا اُسے
پھر وہیں دل اُس عقیدت مند کا — کر دیا کرتا ہوں قائم بے خطا
یاد رکھ لیکن یہ اے جنگ آزما — دینے والا ثمرۂ اعمال کا
اور جز ذاتِ خدا کوئی نہیں — دوسرا میرے سوا کوئی نہیں
پاتے ہیں ثمرہ جو ایسے کم خرد — وہ ہمیشہ کو نہیں اے خوش ابد
وہ اسی عالم میں ہوتا ہے تمام — ایسے ثمرہ کو نہیں ہرگز دوام
کیونکہ جو ہیں دیوتاؤں پر فدا — وہ انہیں تک ہوتے ہیں منزل رسا
میرے شیدا میرے پاس آ جاتے ہیں — جاودانی زندگانی پاتے ہیں
میں ہوں بے حد میری حد کوئی نہیں — ایک شے پر کیوں ہو پھر میرا یقیں

لاتعین کا تعین ہے غلط
سازِ بطلاں کا یہ تُن تُن ہی غلط

جہل سے وہ مانتے مجھ کو نہیں
درحقیقت جانتے مجھ کو نہیں

یہ صفاتِ ظاہری کا ہے لباس
میں جو ہُوں پہنے ہوئے ای خود شناس

اسلئے سب کو نظر آتا نہیں
گو کہ میں ہُوں ذرّہ ذرّہ کا مکیں

مجھ فنا سے دُور مجھ خلّاق کو
مالکِ کون و مکاں رزّاق کو

جانتے بالکل نہیں اہلِ جہاں
کم ہیں کم سے کم ہیں میری رازداں

حالت ہر سہ جہاں ہر سہ زماں
مجھ پہ روشن ہے سراسر ہے عیاں

لیکن اس دُنیا میں غفلت کے سبب
میری اصلیت سی ناواقف ہیں سب

ہر بشر کے حق میں ہیں آئے نکتہ سنج
شوق و نفرت باعثِ شادی و رنج

ان سی ہی غافل ہیں فانی ہستیاں
چھائی ہیں دِل پر دوئی کی مستیاں

نیک اِنساں جو گُناہوں سے ہیں دُور
قلب جن کے سرد آہوں سے ہیں دُور

راحت و کُلفت سی ہو کر بے نیاز
ہوتے ہیں میرے پرستارانِ راز

مرگ و پیری سے رہائی کیلئے
منزلِ حق تک رسائی کیلئے

خواہشیں کرتے ہیں جو پاکیزہ ذات
میرا دم بھرتے ہیں با ذات و صفات

جانتے ہیں عقدہائے جزو و کُل
فعل سے واقف ہیں مثلِ برگ و گُل

جزو و فعل و کُل کا ہے جو مسئلہ
اور تعلّق ان سے میری ذات کا

مرتے دم بھی جانتا ہے جو بشر
مجھ میں آملتا ہے شک سے دُور تر

خُداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے گیان و گیان یوگ
پر مشتمل مقدس گیتا کا جو سرلسبر علم الٰہی خلاصۂ رموز معرفت
اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے اور جسے
پنڈت نظر سوہانوی نے اُردو نظم
کا لباس دیا ہے ٭ ٭
ساتواں باب ختم
ہُوا

بابِ ہشتم

عرض کی ارجن نے اے ربِ ودود
چہرۂ کونین را رونق فزود

فعل کیا ہے جزو کیا ہے کُل ہے کیا
رونقِ بستانِ برگ و گُل ہے کیا

کہتے ہیں فانی کسے اہلِ جہاں
اور باقی کا ہے کیا مطلب یہاں

کس کے دَم سے جسم ہے حرکت پذیر
کون ہے اِس قلب کا نورِ ضمیر

عِلم والے جن کا دِل ہے ایک سو
اور تسلیم و رضا ہے جنکی خُو

وقتِ مُردن آپ کو جانِ جہاں
کس طرح پہچان لیتے ہیں یہاں

یوں ہُوا ارشادِ ربِ ذوالجلال
اے بہادر گوشِ دِل سے سُن بہ قال

غیر فانی جلوۂ برحق ہے جو
لایزال و قادرِ مطلق ہے جو

ہر جگہ موجود ہے جو سب میں ہے
جس کا جلوہ گوش و چشم و لب میں ہے

ہے وہی باقی خدائے پُرسرور
جانتے ہیں سب جسے ربِ غفور

روح اسکا بے فنا جلوہ ہی ایک ۔۔۔ وہ جو دریا ہی تو یہ قطرہ ہی ایک

فطرتِ برحق ہی ادھیاتم ہے یہ ۔۔۔ بے بدل ہے غیر بیش و کم ہے یہ

اور جس طرزِ عمل سے یہ جہاں ۔۔۔ ہوتا ہے گہ آشکارا گہہ نہاں

فعل کہتے ہیں اُسے دانائے راز ۔۔۔ ہے یہی تخلیق کا حُسنِ مجاز

یہ جہاں یہ پیکرِ بود و نبود ۔۔۔ یہ فنا کا گھر یہ امکانِ وجود

میری ہستی کا ہے اک جزوِ بدن ۔۔۔ آفتابِ نور کی ہے اک کرن

جلوۂ ظاہر ہے یہ عالم مرا ۔۔۔ مُعجزہ ہے یہ فسونِ دم مرا

روح جس کا جلوۂ پاکیزہ تر ۔۔۔ اس گلستاں کی ہے رونق سربسر

میرے ہی انوار سے پُر نور ہے ۔۔۔ میرے دامن میں فنا سے دور ہے

اور میں ہی ہر جگہ موجود ہوں ۔۔۔ عارفوں کی منزلِ مقصود ہوں

اس جہانِ زندگی کا ہوں سبب ۔۔۔ سب کا خالق سب کا رازق سب کا رب

ہے جہاں تک یہ نظامِ کائنات ۔۔۔ میری قدرت کے سبب ہے یہ صفات

روح و قالب کو مجھی سے ہے قرار ۔۔۔ ہے مجھی سے باغِ ہستی پُربہار
شاہدِ افعالِ نیک و بد ہوں میں ۔۔۔ میری کوئی حد نہیں بے حد ہوں میں
جس بشر کے دل میں وقتِ انتقال ۔۔۔ ماسوا سے دُور ہو میرا خیال
بیخطر وہ بندۂ پاکیزہ ذات ۔۔۔ چھوڑ کر یہ قالبِ موت و حیات
وصل سے ہوتا ہے میرے شادکام ۔۔۔ ذات میں پاتا ہے تسکینِ دوام
نزع میں جب دم اُلٹ جانے کو ہو ۔۔۔ اور ہچکی موت کی آنے کو ہو
اُس گھڑی جیسا کسی کا ہو خیال ۔۔۔ حسبِ نیت پاتا ہے ویسا مآل
اِسلئے ہر دم مری پوجا کرو ۔۔۔ سورما بن کر رقیبوں سے لڑو
اپنے عقل و دل مجھے دو نذر تم ۔۔۔ میری اِس فطرت میں کر دو خود کو گُم
پھر مجھے حاصل کرو گے بالیقیں ۔۔۔ ہو رہو گے تم مرے اسرار بیں
دُور رہ کر جو اُمید و یاس سے ۔۔۔ نفس کے ہر سوزِ پُر آماس سے
دِل کو بس میں کر سکونِ دل کیساتھ ۔۔۔ بیخودانہ اندرونِ دل کے ساتھ

زندگی کرتا ہے دُنیا میں بسر — وہ خدا دار و خدا پرور بشر
اُس سے ملتا ہے جو ہی خلاقِ جہاں — جسکو پا سکتے نہیں وہم و گماں
سب دِلوں کی جاننے والا جو ہے — مادہ و رُوح سے بالا جو ہے
جسکے جلوے ہیں نہایت ہی لطیف — جسمیں شامل ہیں سب اجسامِ کثیف
جو تصوّر سے پرے ہے دُور ہے — ہر جگہ پوشیدہ و مستور ہے
سر بسر روشن ہے مثلِ آفتاب — دُور تاریکی سے ہے جس کی جناب
اُس خدائے پاک کا شیدا جو ہے — میری قدرت کا نمائندہ جو ہے
وقتِ مُردن گر سکونِ دل کے ساتھ — مستِ بیخود اندرونِ دِل کے ساتھ
علمِ حق سے ابرُوؤں کے درمیاں — روح کو کرتا ہے قائم مثلِ جاں
اُسکو پاکر اُس میں مِل جاتا ہے وہ — آپ کو مثلِ خدا پاتا ہے وہ
جانتے ہیں جسکو خلاقِ جہاں — عالمِ ویدِ مقدّس سب یہاں
ذات کو جس کی نہیں ہرگز زوال — جِس کو کہتے ہیں علیمِ ذوالجلال

جس کے اندر تارک الدنیا بشر | بے غرض انسان پاکیزہ بشر
بعدِ مرجانے کے داخل ہوتے ہیں | جزو کی ہستی سے کامل ہوتے ہیں
جسکی مرضی سے یہاں اے نامور | حق پرستوں کو ہے حق تجربہ پر
مختصر اسکا بیاں کرتا ہوں اب | رازِ پنہاں کو عیاں کرتا ہوں اب
خواہشِ دُنیا سے رہ کر دُور تر | قدرتیں پاکر حواس و نفس پر
شغلِ علمِ حق پہ دم دیتا ہے جو | سانس کو سر میں چڑھا لیتا ہے جو
دل سے کرتا ہے مری پوجا یہاں | جس کے لب اک اوم ہے وردِ زباں
اور اپنے قلب کی آواز کو | روح کے اس خوش ترنم ساز کو
سنتا رہتا ہے سحر سے شام تک | بھول جاتا ہے طلب کا نام تک
ایسا عارف بعد مرگ ناگہاں | کرتا ہے حاصل حیاتِ جاوداں
جسکی آنکھوں میں ہو بس جلوہ مرا | یاد دل میں سر میں ہو سودا مرا
جسکے دل سے وہم کا ہٹ دُور جہل | ایسے شاغل کو مرا ملنا ہے سہل

مجھ میں ملتا ہے وہ پاکیزہ خیال
توڑ ڈالا خواہشوں کا جسنے جال

زُہد کے عرفان کے ہیں جو مردِ کار
پارسا مرتاضِ حق پرہیزگار

اِس جہاں میں گھر ہے جو آفات کا
رنج و غم کا درد و تکلیفات کا

از سرِ نو پھر جنم لیتے نہیں
کُشتۂ مرگ و بقا کھیتے نہیں

برہم سے تا این جہاں اے خوش ضمیر
جتنے عالم ہیں وہ ہیں گردش پذیر

رُوح تک ہستی ہے جسکی بے فنا
ہے تناسخ کی رہینِ مدعا

لیکن ایسے پاک باطن پاک باز
جو مری قدرت کے ہیں آگاہِ راز

اِس جہاں میں پھر جنم لیتے نہیں
مجھ کو پاکر مجھ میں ہوتے ہیں مکیں

یاد رکھ یہ مسئلہ اے ہوشیار
جب گذرتے ہیں یہاں جُگ یک ہزار

ایک دن ہوتا ہے برہما کا تمام
اتنے ہی عرصہ کی یک شب لاکلام

الغرض شامل ہیں ہنگامِ شمار
روز و شب میں ایسے جُگ یک یک ہزار

جانتے اِس روز و شب کو ہیں وہی
اہلِ دانش جنکو ہی حق آگہی

پاتا ہے آغاز جب برہما کا دن — آفرینش کے وجود آرا کا دن
ہوتے ہیں نرگن سے پیدا سب وجود — پاتے ہیں حشرات عالم ہست بود
اور وقت شب اُسی میں لا کلام — وصل ہو جاتے ہیں یہ حادث تمام
یہ ہجوم چرخ و مادہ باربار — کہتے ہیں عنصر جنہیں سب حق نثار
ہو کے ظاہر ختم ہوتے رہتے ہیں — جاگتے رہتے ہیں سوتے رہتے ہیں
لیکن اے ارجن جو اس قدرت سے دور — ہے خدائے لایزال و عین نور
ان عناصر کے فنا ہونے سے بھی — مٹ نہیں سکتا نہیں مٹتا کبھی
اس کی ذات پاک ہے غیر از زوال — نام ہے اس کا خدائے ذوالجلال
جس کا دم ہے نور قلب عارفاں — جس کی بخشش ہے نجات جاوداں
جس کو پا کر پھر کوئی پھرتا نہیں — جس بلندی سے کوئی گرتا نہیں
میری منزل گاہ ہے وہ لا کلام — نام اسی کا ہے نجات پُر دوام
جس کے اندر ہے یہ ساری کائنات — جس کے دم سے ہے تمہاری کائنات

جس نے دی ہے بولنے والی زباں　　جو ہے خلاقِ زمین و آسماں
اُس خدائے پاک کو پاتے ہیں جب　　عشق باطن بے ہوس ہو بے طلب
نورِ مخفی تم پہ چمکاتا ہوں اب　　میں تمہیں وہ وقت بتلاتا ہوں اب
جن میں مرکر کوئی پاکیزہ خیال　　لوٹتا ہے یا ہے کرلیتا وصال
دن ہو آتش ہو شبِ مہتاب ہو　　اور سورج ہو شمالی سمت کو
ایسے عالم میں جو عارف جان دیں　　وصل ہوتے ہیں وہ میری ذات میں
دود ہو شب ہو شبِ تاریک ہو　　مہرِ انور ہو جنوبی سمت کو
ایسے عالم میں جو عارف جان دیں　　نورِ مہ حاصل کریں واپس پھریں
اس جہاں کے یہ دو عالم ہیں قدیم　　نور و ظلمت جن کو ہیں لطفِ عمیم
ایک سے دُنیا میں واپس آتے ہیں　　ایک سے وصلِ دوامی پاتے ہیں
ایسا عارف جو ہے مجھ کو جانتا　　دونوں رستوں کو ہی جو پہچانتا
خواہشِ دُنیا سے رہ کر دُور تر　　چشمِ دِل سے ہے مرا جلوہ نگر

اِس لئے تم ارجنِ عالی وقار
شغل میں ہر دم رہو مصروفِ کار

زُہد و علم و بندگی سے دان سے
مِلتا ہے جو بھی ثواب ایمان سے

وہ ثواب اِس نیک انساں کے لئے
لطف جس نے بزمِ عرفاں کے لئے

کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا یہاں
ذرہ بھر وقعت نہیں رکھتا یہاں

کیونکہ اُس کے دِل میں میری یاد ہے
منزلِ اللہ میں آباد ہے

خداوندِ مطلق اور ارجن کے مکالمات سے تارک برہم یوگ
پر مشتمل مقدس گیتا کا دوسرا سبر علم الہی خلاصہ رموز
معرفت اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے
اور جسے پنڈت لفظی اسو ہا نوی نے
اردو نظم کا لباس دیا ہے
آٹھواں باب ختم
ہوا

باب نہم ۹

پھر ہے یوں ارشادِ ربِ ذوالمنن　　اے دلیر تیغ زن اے صف شکن
تم صفاتِ آشکارا سے ہو دور　　دیکھتے ہو سب کو بے چشمِ قصور
اسلئے تم پہ میں اب وہ علمِ ذات　　جاننا جس کا بہت مشکل ہے بات
کھولتا ہوں ایک بسط و شرح سے　　تاکہ تم واقف ہو ہر طرح سے
علم ایسا ہے یہ جس کو جان کر　　غم سے پاؤ گے رہائی سر بسر
علم سب علموں سے افضل تر ہے یہ　　رازِ پنہاں ایک سرتا سر ہے یہ
پاک برتر ظاہر و باطن کے پاس　　دل کا دشمن ضابطِ نفس و حواس
یہ وہ علمِ ذات ہے اے صف شکن　　چاہیے ہر قلب میں جس کی لگن
قابلِ مشق و عمل ہے علم یہ　　بے فنا و بے بدل ہے علم یہ
راست ہے وجہِ یقیں تو ہے　　جس کا حاصل سر بسر سرور ہے

جو بشر کرتے نہیں اس پر عمل — اُن کے دل کا کھل نہیں سکتا کمل

مجھ سے میری ذات سے ہو کر جدا — پاتے ہیں بیشک عوض اعمال کا

اس جہانِ غم میں آکر بار بار — ہوتے ہیں تیر تناسخ کے شکار

ہیں بغیر از جسم مخفی طور پر — اس جہاں میں ہر جگہ ہوں جلوہ گر

بجنسہٖ با حسن یہاں جو کچھ بھی ہے — یہ مکاں یہ لامکاں جو کچھ بھی ہے

مجھ میں ہے یہ سب نہان و آشکار — میں نہیں ہوں ان کے اندر زینہار

الغرض یہ کائناتِ نزد و دور — ہے سہارے پر مرے اے باصبور

گو مجھی سے ہے فنا بھی بود بھی — یہ جہاں مجھ میں ہے ناموجود بھی

ہے یہی نو قدرتِ کامل مری — جس میں ہے صورت نبود و بود کی

ہوں اگرچہ خالقِ ارض و سما — قالب آرا کلہم اجسام کا

پھر بھی یہ عالم مرا مسکن نہیں — میں ہوں بے نام و نشاں اے ہم نشیں

ہے خلا میں ہر جگہ جیسے ہوا — یوں ہی مجھ میں ہے قیام اس دہر کا

این جہانِ زندگی در دہر ابد وصلِ نورِ خداوندی شود
آشکارا مے کنم در دہر ازل بے تکلف بے تمنّا بے خلل
بس میں لاکر اپنی اس قدرت کو میں ان جہانوں کے جو اس کے بس میں ہیں
دیتا ہوں صدا آفرینش کا وجود زندگی تابندگی نام و نمود
مجھ پہ مایا کا فسوں چلتا نہیں دور ہوں بندِ عمل سے بالیقیں
اس لئے کرتا نہیں کرتا ہوا کچھ اثر مجھ پر نہیں افعال کا
میری یہ قدرت صدارت میں مری کرتی ہے پیدا جہانِ زندگی
چونکہ اس قدرت میں حرکت اور قرار جوہرِ ذاتی سے ہے اے نامدار
اس لئے فانی جہاں گردش میں ہے یہ زمیں یہ آسماں گردش میں ہے
بیوقوف و جاہل و ناداں بشر قالبِ خاکی میں مجھ کو دیکھ کر
کرتے ہیں تذلیل میری ذات کی جانتے ہیں اپنے جیسا آدمی
بھول جاتے ہیں کہ میں رزاق ہوں آفرینش کا سبب خلاق ہوں

صاحبِ کون و مکاں ہوں جسم میں
مالکِ جان و جہاں ہوں جسم میں

انکے افعال انکی خواہش ہے فضول
انکے اعمال انکی کاہش ہے فضول

علم سے بہرہ نہیں انکو ذرا
ہاں نہیں مجھ پر یقیں ان کو ذرا

اُن کا دل ہے ناصبور و بے قرار
نفس کے بس میں ہیں وہ دیوانہ وار

قدرتِ ادنےٰ صفت پرست ہیں
بادہ ابلیسیت پرست ہیں

میری اصلیت سے ہیں ناآشنا
کثرت و وحدت سے ہیں ناآشنا

لیکن اے ارجن فرشتہ خو بشر
جنکی فطرت حق ہے وہ حق جو بشر

ذاتِ برحق کی عبادت کرتے ہیں
طاعت و زہد و ریاضت کرتے ہیں

دل کی پوری طاقت و ہمت کیساتھ
بندگی کرتے ہیں خاص اُلفت کی ساتھ

جانتے ہیں اولِ دنیا مجھے
مانتے ہیں آخرِ عقبیٰ مجھے

شغلِ علم حق سے ہیں محو جمال
صرف ہے بہر نجات اُنکا خیال

ایسے بھی ہیں کچھ یہاں پاکیزہ دل
پاک سیرت پاک فطرت پاک گل

خلقتِ خالق کو یکساں جان کر — یا جدا اک دوسرے سے مان کر
مجھ محیطِ کُل کے ہیں عرفاں نواز — بندگی کے ساز پر نغمہ طراز
کیونکہ میں ہی یگیہ ہوں میں ہی کرتو — میں ہی منتر میں ہی گھی اے نیکخو
میں ہی لکڑی میں ہی غلّہ میں ہی آگ — میں ہی آوازِ برہمن میں ہی راگ
اس جہاں کا باپ میں ہوں ماں ہوں میں — پاسباں ہوں خلق کا ساماں ہوں میں
ہُوں بزرگِ خاندانِ ہر بشر — واقفِ سِرِّ رگ و سام و یجُر
میں ہی اس عالم کی ہُوں جائے پناہ — سب کا رازق سب جہاں کا خیر خواہ
دیکھنے والا ہوں نیک و بد کا میں — پاسباں ہوں عالمِ بے حد کا میں
ہے مجھی میں سب کے رہنے کا مقام — میرے ہی دم سے ہے عالم کا نظام
بے غرض ہر سُو کرم کرتا ہوں میں — لُطف سب پر دمبدم کرتا ہُوں میں
اس جہاں کا اوّل و آخر ہوں میں — بے فنا و مخفی و ظاہر ہوں میں
میں ہی اس عالم کا ہوں وجہِ وجود — باعثِ ہنگامۂ بود و نبود

گرم میری ہی تپش سے ہے جہاں ۔۔۔ میرے اک شعلے میں ہیں سَو بجلیاں
ابر کھلتا ہے مرے احکام سے ۔۔۔ اور برستا ہے مرے انعام سے
روح بھی اور مادہ بھی مجھ سے ہے ۔۔۔ یہ لقا بھی یہ فنا بھی مجھ سے ہے
الغرض میں ہر جگہ موجود ہوں ۔۔۔ ہر طرف ہر سمت حسن افزود ہوں
وید پر ہے جنکو دل سے اعتقاد ۔۔۔ سوم رس پی کر وہ پاکیزہ نہاد
یگیہ کرتے ہیں ریاضت کرتے ہیں ۔۔۔ آرزوئے عیش جنت کرتے ہیں
اس ریاضت کے سبب وہ پاک دیں ۔۔۔ ہوتے ہیں فردوس میں جا کر مکیں
عیش جو ہیں دیوتاؤں کے لئے ۔۔۔ شاد کام ان سے وہ ہوتے ہیں ولے
ختم ہو جاتے ہیں نیک اعمال جب ۔۔۔ چھوڑ کر فردوس کی بزم طرب
واپس آتے ہیں اسی دنیا میں پھر ۔۔۔ جسم پاتے ہیں اسی دنیا میں پھر
اس طرح سے یہ ارادت مند وید ۔۔۔ نیکیاں جنکی ہیں سب پابند وید
خواہشات قلب پر ہو کر نثار ۔۔۔ ہوتے ہیں پیدا جہاں میں بار بار

جو فدا مجھ پہ ہیں با قلبِ ہزار — صدق دِل سے ہیں مرے طاعت گذار
رہتا ہے ہر دم مجھے اُن کا خیال — کر نہیں سکتا کبھی ردِّ سوال
مجھ پر اُن بندوں کی خدمت فرض ہے — ہر مدد یا ہر حفاظت فرض ہے
میری قدرت پر ہی جو خورسند ہیں — دیوتاؤں کے عقیدت مند ہیں
یا صفاتِ ظاہری پر ہیں نثار — ہیں اگرچہ یہ غلط بطلاں شعار
درحقیقت وہ بھی اے فخرِ جہاں — بندگی میری ہی کرتے ہیں یہاں
یہ جہاں ہے عبد میں معبود ہوں — دیوتاؤں میں بھی میں موجود ہوں
ہر ریاضت کا ثمر دیتا ہوں میں — بے پرِ ہمت کو پر دیتا ہوں میں
لیکن ایسے آرزومندانِ دل — کم نگاہ و کم خرد نادانِ دل
درحقیقت جانتے مجھ کو نہیں — بے خبر پہچانتے مجھ کو نہیں
اسلئے دُنیا میں واپس آتے ہیں — پستیوں کے غار میں گر جاتے ہیں
دیوتاؤں کے بھگت ہیں جو یہاں — دیوتاؤں سے ہیں ملتے بیگماں

جنکی بھوتوں پر عقیدت ہے وہ سب ملتے ہیں بھوتوں سے بی رنج و تعب
اور وہ انساں جو ہیں مردہ پرست پاتے ہیں مرکر وہ مُردوں میں نشست
لیکن اے ارجن پرستارانِ من عارفانِ حق فداکارانِ من
میرے پاس آتے ہیں سب کو چھوڑ کر مجھ میں مل جاتے ہیں شک سے دور تر
پھول پھل برگ آب صدقِ قلب سے جو کوئی بھی مجھ کو نذرانے میں دے
اُلفتِ بے حد سے کرتا ہوں قبول مہر شدّ و مد سے کرتا ہوں قبول
ارمغانِ پرخلوص ایسا جو ہے میں سمجھتا ہوں اُسے نایاب شے
اسلئے اے ارجنِ نیکو سیر اپنے سارے فعل مجھکو نذر کر
یگیہ ہو تپ ہو ہون ہو دان ہو جو بھی تم کرتے ہو مجھ کو نذر دو
اس طرح افعال کی زنجیر سے نیک و بد اعمال کی تاثیر سے
چھوٹ جاؤ گے رہائی پاؤ گے بے نیازِ ماسوا ہو جاؤ گے
میری منزل میں کروگے بود و باش میرے جلوے تم پہ ہونگے جلوہ پاش

میں برابر ہوں جہاں میں ہر طرف
شوق و نفرت سے ہوں بالکل برطرف

یار ہے میرا نہ ہے کوئی عدو
میرا جلوہ ہے برابر چار سو

میں ہوں ان میں جنکو الفت مجھ سے ہے
مجھ میں ہیں جنکو محبت مجھ سے ہے

کوئی انساں کتنا ہی بدکار ہو
دل سے گر میرا فدائی یار ہو

اُس محبت کے سبب وہ بدشعار
جلد تر پاتا ہے تسکین و قرار

قابلِ عزت ہے وہ بدکار بھی
مال و زر رکھتا ہے وہ نادار بھی

کیونکہ وہ انساں نوازش سے مری
رحمتوں کی ایک بارش سے مری

پاک ہو جاتا ہے مثلِ پاک باز
جان لیتا ہے مرے عرفاں کا راز

یاد رکھ میرے فدائی پر کبھی
نوبت آ سکتی نہیں تذلیل کی

وہ فنا کے ہاتھ سے رہتا ہے دور
وہ قضا کے ساتھ سے رہتا ہے دور

عورتیں ہوں شدر ہوں یا ویش ہوں
کم خرد کم عقل غفلت کیش ہوں

الغرض ناقص بھی ہوں جو میرے دوست
جان اپنے دل میں انکو میرے دوست

کیونکہ میری اِس پرستش کے سبب
ہستئ جاوید پاتے ہیں وہ سب

پاک سیرت برہمن اور چھتری
دل سے کرتے ہیں عبادت جو مری

اُن کا کیا کہنا ہے اُن کی بات کیا
اُن کو غم کیا ڈر کیا آفات کیا؟

یہ زماں اور یہ مکاں ہے بے ثبات
سارا اسبابِ جہاں ہے بے ثبات

اسلئے ہر دم مری طاعت کرو
بیغرض ہو کر مری خدمت کرو

نذر دو میری نظر کو اپنا دِل
سونپ دو مجھ کو یہ جسمِ آب و گِل

دِل سے ہو جاؤ مرے طاعت گذار
بندگی میری کرو لیل و نہار

دستِ بستہ سرنگوں تعظیم دو
میرے قہر و جبر سے ڈرتے رہو

اپنا سب کچھ تم مجھی کو مان لو
میری ہستی کو مجھے پہچان لو

پھر مجھی کو پاؤ گے تم بالیقیں
ہو رہو گے میری منزل کے مکیں

خداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے مخفی ترین علمِ الہٰی پر مشتمل مقدس گیتا کا جو سربسر علمِ الہٰی خلاصہ رموزِ معرفت اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے اور جسے پنڈت نظر سوہانوی نے اردو نظم کا لباس دیا ہے۔

نواں باب ختم ہوا

بابِ دہم ۱۰

یوں ہوا ارشادِ ربِ ذوالمنن
اے یلِ ضیغم فگن اے صف شکن

رازِ مخفی پھر سُناتا ہُوں تمہیں
جلوۂ پنہاں دِکھاتا ہُوں تمہیں

کیونکہ تم میرے عقیدت مند ہو
علمِ حق پرست ہو خورسند ہو

اے رہینِ فرض اے مردِ جری
اسمیں پنہاں ہے تمہاری بہتری

میری اصلیت سے ہیں سب بے خبر
کیا رشی کیا دیوتا کیا حق نظر

کیونکہ اِن سب کی ہے مجھ سے ابتدا
یہ مرے بندے ہیں میں اِن کا خدا

میرا اوّل میرا آخر کچھ نہیں
ذات میری دو جہاں کی ہے امیں

میرے دم سے ہی بہارِ کائنات
میری ہستی ہے قرارِ کائنات

جانتا ہے جو مرے اس راز کو
پاک ہے عصیاں سے وہ پاکیزہ خو

علم و عقل و ہوش و رنج و خورمی
بُردباری ، راستی ، ناراستی

ضبطِ نفس و شوق و کبر و انکسار | داد و رحم و بخشش و صبر و قرار
خوف و بیخوفی و مرگ و زندگی | شہرت و تاریکی و تابندگی
الغرض خاصیتیں ہیں جس قدر | طبعِ انسانی میں اے نیکو سیر
مجھ سے ہی پیدا ہوئی ہیں لاکلام | میری ہی قدرت میں ہے اُنکا قیام
چار اوّل مہرشی ساتوں رشی | سب منو جو یاد کرتے ہیں مری
جن سے ہے یہ باغ ہستی کی بہار | میرے ہی من سے ہوئے ہیں آشکار
یہ جہاں اولاد انہی رشیوں کی ہے | روشنی ساری انہی جلوؤں کی ہے
ان کا والد تھا نہ مادر تھی کوئی | ان سے پہلے ایک میری ذات تھی
بعد ازاں اس دہر میں جاری ہوا | سلسلہ ماں باپ سے تولید کا
میری اس قدرت کا جو دانندہ ہے | جس کا دل اس نور سے تابندہ ہے
رات دن ہے شغلِ علمِ حق اُسے | شوقِ وصلِ قادرِ مطلق اُسے
ظاہر و پنہاں یہاں جو کچھ بھی ہے | یہ مکاں یہ لامکاں جو کچھ بھی ہے

میرے ہی دم سے ہوا ہے جلوہ گر
مجھ سے پیدا ہوا ہے سر بسر

یہ سمجھ کر اہلِ دانش روز و شب
کرتے ہیں میری عبادت بے طلب

رہتے ہیں سرمست میرے ذکر میں
شغلِ علمِ حق میں اپنی فکر میں

ہوتے ہیں مجھ پر دل و جاں سے نثار
پاتے ہیں صبر و رضا سے وہ قرار

دور ہے جس سے مقامی زندگی
جس کی منزل ہے دوامی زندگی

ایسے انسانوں کو جو ہر ایک پل
ہیں محبت میں مری گرمِ عمل

علم وہ دیتا ہوں جسکو جان کر
شاد میرے وصل سے ہوں بیخطر

ان کے دل سے ظلمتِ جہل و قصور
جلوۂ عرفاں سے کر دیتا ہوں دُور

اُن کی بہبودی مجھے اے حق نگر
رہتی ہے ہر ایک دم مدِ نظر

عرض کی ارجن نے اے جانِ جہاں
باعثِ ہر آشکارا و نہاں

آپ کی ہی ذات ہے ربِّ عُلا
اس جہاں کی ابتدا و انتہا

آپ ہی ہیں سب سے پاک و پاک تر
سب سے اوّل جلوہ فرما جلوہ گر

آپ ہی ہیں حیرت انگیز جہاں | ہر جگہ ہر سمت پیدا و نہاں
دیر پا و بے فنا و بے زوال | آپ کی ہی ذات ہے اے پُر جلال
بیاس دیول است نارد مہرشی | حمد کرتے ہیں یونہی سب آپ کی
اور اس پر آپ خود بھی بار بار | ایسا ہی فرماتے ہیں اے جلوہ کار
اے خداوندِ زمن اے جانِ من | اے کشودِ کارِ من ایمانِ من
آپ کا ارشاد سر تا سر بجا | مانتا ہوں دل سے بے فکر و خطا
اصلیت کو آپ کی بے شبہ و شک | جانتے ہرگز نہیں انس و ملک
اے بنائے دہر اے انوارِ جاں | اے وجود آرائے ارض و آسماں
اے جہاں کے مالک و پروردگار | سب سے برتر سب سے بہتر سب کے یار
آپ ہی واقف ہیں اپنی ذات سے | اپنے سب عقدوں سے اپنی بات سے
اے خدائے برتر و اے کبریا | جن کے باعث آپ ہیں جلوہ نما
اپنے اُن جلوؤں کو از راہِ کرم | جن سے عالم کی ہے زیب و زینت بیش و کم

کیجئے تفصیل سے مجھ پر عیاں — تا کہ ہوں میں واقفِ سرِّ نہاں
آپ کا صرفِ عبادت ہو کے ہیں — آپ ہی میں اپنا سب کچھ کھو کے ہیں
وہ مناظر کون ہیں دہر اندر دل — دھیان جن میں آپ کا کرتا رہوں
جلوہ کس کس شے میں دیکھوں آپ کا — اور کرشمہ ہی کسی منظر میں کیا؟
پھر سے کیجئے سب بیاں اے پاک ذات — آپ کی ہر بات ہے آبِ حیات
پیلیتھ ارجن کی سُنکر عرضِ حال — یوں ہوا ارشادِ ذاتِ پُرجلال
میری وسعت میرا اندازہ نہیں — میں ہوں اس عالم میں ہر شے کا مکیں
وہ مناظر جن میں اے صاحب شعور — اک خصوصیت سے ہے میرا ظہور
مختصر تجھ سے بیاں کرتا ہوں میں — رازِ پنہاں کو عیاں کرتا ہوں میں
ہے یہاں جو چیز بھی اے نامدار — خواہ حرکت ہے اُسے یا ہے قرار
رُوح ہوں اُن کُل ہمہ اشیا کی میں — زندگی ہوں قالبِ دنیا کی میں
ایک میں ہوں اے دلیرِ بے نظیر — اِس جہاں کا اوّل و وسط و اخیر

آدتی کے جو ہوئے بارہ پسر — اُن میں وشنو ہوں میں اے نیکو سیر
بادیوں ہوں میں مریچی کا جواب — جتنے سیارے ہیں اُن میں ماہتاب
چار ویدوں میں ہوں میں وہ سام وید — روح کی دُنیا کو ہے جو پُر نوید
نوریوں میں راجۂ اندر ہوں میں — حسِ خمسہ میں دلِ مضطر ہوں میں
روح ہوں اجسام میں قالب میں جاں — ہوں عیاں ظاہر میں باطن میں نہاں
شنکرہ میری ذات ہی رودروں میں ہے — میرا دم ہی آگ سب وسوؤں میں ہے
راکششوں یکشوں میں ہوں میں ہی کوبیر — اور خوش منظر پہاڑوں میں سُمیر
مدعا جن کا ہے سب کی بہتری — اُن میں ہوں میں پاک سیرت برہسپتی
سرورِ افواج ہیں جو سربلند — اُن میں ہوں میں جنگ کا ماہر سکند
آب سے لبریز ہیں جو جو مقام — بحر اُن سب میں ہوں میں اے نیکنام
نور سے لبریز جو اجسام ہیں — آفتاب و مہرتاب ان میں ہوں میں
مہرشی جتنے ہیں اُن میں ہوں میں بھرگو — اوم ہوں میں برزبانِ گفتگو

مچھلیوں کی ذات میں ہوں میں مگر　　اور دریاؤں میں گنگ پاک تر
جتنی دُنیائیں ہیں اُن کی ذات کا　　میں ہوں وسط و ابتدا و انتہا
منطقی عالم میں ہُوں میں فلسفہ　　علم ہُوں علموں میں اپنی ذات کا
حرفِ اوّل ہوں میں در حرفِ ہجا　　اور عطف الفاظ میں ترکیب کا
میں ہی مالک میں ہی خالق سب کا ہُوں　　میں ہی آقا میں ہی رازق سب کا ہوں
مجھ سے ہی انوار پھیلے ہیں تمام　　مجھ سے ہی قائم ہے دُنیا کا نظام
میں ہُوں لاثانی فنا سے دُور ہُوں　　ابتدا و انتہا سے دُور ہُوں
موت میں ہوں اور پیدائش ہوں میں　　حال و مستقبل کی آرائش ہوں میں
عورتوں میں نیکی و خُلق و حیا　　ذہن و حلم و صبر کی میں ہُوں ادا
نغمہ ہوں برہت کا میں در سام وید　　چھند میں ہوں گایتری کا پاک بھید
موسموں میں ہوں بسنت پُر بہار　　کر مہینوں میں مجھے منگسر شمار
جعلسازی میں ہوں میں جعلِ قمار　　پُر جلالوں میں جلالِ جلوہ بار

طاعتوں میں جپ ہوں ذکرِ کردگار
کوہساروں میں ہمالہ کوہسار

سب درختوں میں ہوں پیپل کا درخت
دیو رشیوں میں ہوں نارد حق پرست

چتر رتھ میں سارے گندھربوں میں ہوں
سانکھ کا بانی کپل منیوں میں ہوں

بادپا اسپوں میں ہوں اُچ شروا
ہاتھیوں میں نام ایراوت مرا

ہوں رعیت میں وہ شاہِ نیک نام
عدل و بخشش پہ ہے جس کا ہر نظام

بجر ہوں میں جنگ کے آلات میں
جوشِ شہوت خواہشِ لذات میں

کامدھینو گائے میں گایوں میں ہوں
زہر پرور واسکی سانپوں میں ہوں

سب کے سب ناگوں میں ہوں میں اننت ناگ
بادلوں میں ہوں ورن کا پاک ہاتھ

اریما پتروں میں ہوں سرتاج ہوں
حاکموں کے درمیاں یم راج ہوں

دیتوں میں پرہلاد نیکو فال ہوں
جو ریاضی اُن میں ان میں کال ہوں

میں پرندوں میں گرڑ ہوں اے دلیر
جتنے چوپائے ہیں اُن سب میں ہوں شیر

پاک کرنے والوں میں ہوں میں ہوا
لڑنے والوں میں ہوں رام خوش ادا

کامیابی میں یقیں ہوں ، میں ہوں اعتقاد — راست گویوں میں سچائی عدلِ داد
پانڈوؤں میں مجھ کو ارجن جان تو — یادووں میں کرشن ہوں یہ مان تو
شاعروں کی صف میں شُکر آچاج ہوں — سالکوں میں ہوں بیاس رہنموں
ظالموں کے حق میں تعذیر و سزا — فاتحوں میں ہوں طریقہ جنگ کا
خامشی ہوں میں خفی اسرار میں — علم ہوں ہر علم کے سرشار میں
تخم ہوں میں کائناتِ دہر کا — اور ضامن ہوں ثباتِ دہر کا
ساکن و متحرک اشیاء جو بھی ہیں — سب مجھی سے ہیں خدا ہوں سب کا میں
اصل میں اے ارجن فرخندہ فال — دہر کی ہر شئے میں ہے میرا جمال
یہ کرشمے میرے نادر اور عجیب — سُن چکا مجھ سے جو تو میرے حبیب
ہیں جہاں میں بے شمار و بے حساب — ہے بہت دشوار ان کا انتخاب
اسلئے میں نے ز راہِ اختصار — تجھ کو بتلائے ہیں اے اطاعت گذار
جو بھی شئے ہو پُر جلال و پُر جمال — تاب دار و تاب دہ گبرو باکمال

کاملیت اک طرح کی جس میں ہو — جو ہر افضالِ ذاتی جس میں ہو

اُس کی پیدائش میں ہوا حق ضمیر — میرے نورِ پاک کا جزوِ کثیر

یہ سمجھ او قدرتی منظر ہے وہ — میرے حسنِ ذات کا مظہر ہے وہ

الغرض طولِ سخن کو قطع کر — تجھ سے کہتا ہوں یہ حرفِ مختصر

ہے جہانتک یہ حدودِ کائنات — یہ نظامِ ہست و بودِ کائنات

میرے اک جلوے کے اندر ہے مقیم

لوح و عرش و فرش و فردوس و جحیم

خداوندِ مطلق اور ارجن کے مکالمات سے وبھوتی یوگ پر
مشتمل مقدس گیتا کا جو سربسر علمِ الٰہی خلاصۂ رموزِ معرفت
اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے۔ اور
جسے پنڈت نظر سوہانوی نے اردو نظم
کا لباس دیا ہے

دسواں باب ختم
ہُوا

باب یازدہم (۱۱)

عرض کی ارجن نے اے بندہ نواز / بے نواؤں بیکسوں کے کارساز
آپ نے اپنی نوازش سے مجھے / ساغرِ انوار بھر بھر کر دیے
جس سے میں سرمست ہوں مسرور ہوں / الفتِ دُنیائے دُوں سے دُور ہوں
کیونکہ میں نے اے خدائے روح خیز / آپ کے لطف و کرم سے بے گریز
سُن لیا خلق و فنا کا ذکر سب / جملہ مخلوقات کا اصلی سبب
آپ کا جو غیر فانی ہے اثر / اُس سے بھی واقف ہوا ہوں سر بسر
اے خدائے پاک اے ربِ عُلا / آپ نے اپنا بیاں جیسا کیا
میں اُسے دیکھوں یہ ہے مجھ کو ہوس / دیدۂ ظاہر سے اے فریاد رس
آپ میرے واسطے سمجھیں اگر / دیکھنا ممکن جمالِ پاک تر
تو مجھے اُس بے فنا محبوب کا / دو جہاں کے مطلب و مطلوب کا

جلوۂ کامل دکھا دیجے ذرا — سب دلوں کا دل دکھا دیجے ذرا

التجائے ارجن سینہ سپر — تھی خدائے پاک کو مدِ نظر

ہنس کے فرمایا مرے جلووں کو دیکھ — مختلف انوار کی شکلوں کو دیکھ

اختلافِ رنگ و قسم و ذات کے — دیکھ بے حد بے عدد جلوے مرے

آدتیوں وسووں کو اور رُدروں کو دیکھ — ان گنوں ان اشونی پتروں کو دیکھ

اور وہ سب جو کبھی دیکھا نہ ہو — دیکھ اس دُنیائے حیرت خیز کو

ساکن و متحرک اشیائے جہاں — اور سب کچھ آشکارا و نہاں

دیکھنا جو کچھ تجھے ہے دیکھ لے — مجھ میں یکجا سارے جلوے دیکھ لے

چشمِ ظاہر سے وَلے اے خوش خصال — دیکھنا ممکن نہیں میرا جمال

اس لئے میں دیدۂ باطن تجھے — بخشتا ہوں اپنے لطف و فضل سے

دیکھ ان آنکھوں سے اب جلوے مرے — نادر و نایاب نوری معجزے

سنج بولا اے شہِ گردوں پناہ — صاحبِ تاج و نگین و بخت و جاہ

اِتنا کہہ کر اُس خدائے پاک نے — حسن آرائے نجوم و خاک نے
جلوہ کامل جلالِ ذات کا — ارجنِ پُر شوق کو دِکھلا دِیا
ایسا جلوہ جس میں بے حد بیشمار — تھے دہان و چشم و گوش اے تاجدار
منظرِ نادر کرشمے بیشتر — زیورِ نایاب صدہا زیب بَر
سینکڑوں ہتھیار نیزو تیز تر — باندھ رکھے ہیں وجودِ پاک پر
نادر و نایاب مالائیں ہزار — زیبِ گردن میں گلو کی ہیں بہار
ہے معطر عطر سے سارا بدن — بیش قیمت ہے جو ہے ملبوسِ تن
وہ جمال و حسن کیا؛ حیرت ہے ایک — دِید کے قابل عجب قدرت ہے ایک
ایسی قدرت جس کی کوئی حد نہیں — جس کے ہر سو ہیں رخِ تاب آفریں
آسماں پر گر ہزاروں آفتاب — ایک دم روشن ہوں اے ہمّت مآب
پھر بھی اُن انوار کے پیشِ نظر — ماند ہوں تاریک ہوں تاریک تر
دیکھی ارجن نے جونہی یہ ذاتِ نُور — سر بسر یک جلوہ سر تا سر سرور

آئی مخلوقات سب یکجا نظر — مہر و ماہ و عرش و فرش و بحر و بر
الغرض جتنی یہ مخلوقات ہے — کائناتِ دہر و موجودات ہے
تھی اُسی پُر نور قالب میں عیاں — سب مقیمِ ذات پیدا و نہاں
پھر تو ارجن رہ گیا حیران سا — لرزہ براندام سا بے جان سا
دست بستہ عزّت و تکریم سے — عرض پیما یوں ہوا تعظیم سے
اے خدائے من خداوندِ زمن — اے گل افشان و چمن بندِ زمن
آپ کے قالب میں سارے دیوتا — سب جہاں کے ساتھ ہیں جلوہ نما
سب کے مورث سب کے جدِّ پاک تر — بیٹھے ہیں برہما کنول کے پھول پر
مہرشی و مارِ زہر آلود سب — ہیں وجودِ پاک میں موجود سب
لاتعد جلوؤں کے لے جلوہ فشار — چشم و بازو آپ کے ہیں بیشمار
ان گنت قالب ہیں اے ربِّ صمد — کیا دہاں اور کیا شکم سب بیحد
آپ ہی کو دیکھتا ہوں ہر طرف — آپ کے جلوے سے ہے کیا برطرف

اے جہاں کے خالق حسن و وجود
مالکِ کاشانۂ بود و نبود

آپ کا آغاز و وسط و انتہا
کیا ہے اس کا کچھ نہیں چلتا پتا

فرق پر ہے تاجِ زرّیں خوشنما
چکر ہے اک ہاتھ میں اک میں گدا

شش جہت میں جلوہ فرما آپ ہیں
سر بسر نورِ تجلّے آپ ہیں

آپ کے اس جلوۂ ناگاہ سے
خاک روشن تر ہے مہر و ماہ سے

روئے آتشناک کو اے ذوالجلال
آنکھ سے دیکھے کوئی کس کی مجال

آپ کو جانیں اسی قابل ہیں آپ
ایک ہیں پُر نور ہیں کامل ہیں آپ

آپ ہی کے دم سے قائم ہے جہاں
آپ ہی ہیں دھرم کے ناصر یہاں

آپ ہی ہیں سارے عالم سے قدیم
ہر جگہ ہے آپ کا فیض عمیم

جسکا اوّل وسط و آخر کچھ نہیں
قدرتیں ہیں جس کی بے حد ہر کہیں

جس کے بازو بیشمار و بیحساب
جس کی آنکھیں آفتاب و ماہتاب

رُخ سے ہے جس کا آتشِ شعلہ فروز
جس کی تابش گرمئ دنیائے سوز

چار جانب شعلہ بار و شعلہ رو — دیکھتا ہوں اِس طرح میں آپ کو
سب خلا واللہ نزد و دور ہے — بھر گیا ہے آپ ہی کے نور سے
شش جہت میں آپ ہی ہیں جلوہ گر — آپ ہی پھیلے ہوئے ہیں سر بسر
اِس طرح شانِ جلالی ہے عیاں — لرزہ بر اندام ہیں تینوں جہاں
آپ کے قالب میں صدہا دیوتا — اف سمائے جا رہے ہیں جا بجا
اور کچھ نوری ہیں ایسے جاگزیں — ڈر کے مارے پاس آ سکتے نہیں
دور ہی سے آپ کی ربِّ عُلا — دست بستہ کرتے ہیں حمد و ثنا
مہرشی و عارفانِ پاکِ ذات — پی چکے جو وصل کا آبِ حیات
آپ کی مدحت میں ہیں نغمہ طراز — بہتریں اشعار میں با سوز و ساز
چاہتے ہیں مہر کی بس اک نگاہ — محو ہیں توصیف میں شام و پگاہ
بکشش و گندھرب دو سو حملہ پتنر — راکشش اور عارفِ نیکو سیر
مردگن اور اشونی کے دو کمار — رودر، آدت اور سب طاعت گذار

آپ ہی کو تک رہے ہیں سر بسر — دیدۂ حیرت سے ہیں جلوہ نگر
آپ کا اُف قالبِ بے انتہا — جس میں لاکھوں ربّ لاکھوں سمتِ دُنیا
مُنہ ہزاروں اَن گِنت ڈاڑھیں بے شمار — موت کے صدہا ملک جن پر نثار
دیکھ کر ایسا جمالِ خوفناک — ساکنانِ دہر کو آتا ہے باک
اور میں بھی ڈر رہا ہوں بے طرح — ڈر کے مارے مر رہا ہوں بے طرح
آپ کا قالب ہے اے ربِّ علا — از زمیں تا آسماں پھیلا ہوا
چہرۂ پُر نور ہر سو جلوہ ریز — برق کی مانند ہیں چشمانِ تیز
دیکھ کر ایسا جمالِ پُر جلال — ہے مجھے صبر و سکوں بالکل محال
جس میں پُر ہے آتشِ خشمِ وجود — سوختہ ہیں جس سے خرمن ہائے بود
اُس دہانِ آتشیں کے چاک کو — دیکھ کر دندانِ ہیبت ناک کو
علم سے سمتوں کے بھی ہوں بیخبر — اب مجھے کچھ بھی نہیں آتا نظر
اے جہاں کے خالق و پروردگار — میں ہوں چشمِ لطف کا اُمیدوار

دیکھئے سب کوروانِ فتنہ گر | جن میں شامل ہے کرن سانا موؔ
بجبشم درون اُستاد سے پاکیزہ خو | اور مری فوجوں کے بھی یہ جنگ جو
آتشیں منہ میں کھنچے آتے ہیں سب | آپ کی جانب چلے آتے ہیں سب
اور کچھ ایسے دبے دانتوں تلے | ریزہ ریزہ جنکے سر پس کر ہوئے
جس طرح دریا و ہر آبِ رواں | بحر کی جانب رواں ہے بیگماں
ہیں یونہی جملہ دلیرانِ زمیں | داخلِ چاکِ دہانِ آتشیں
جیسے پروانے برائے سوختن | آتے ہیں نزدیکِ شمعِ ضوفگن
بس یونہی یہ شاملِ جنگ و نبرد | ہیں اجل پرور دہن میں گرد برد
شعلہ افشاں ہیں دہانِ آتشیں | جل رہے ہیں ان میں سب اہلِ زمیں
ہضم کر کے ہر طرف سے سب کو آپ | چاٹتے ہیں پھر زبان و لب کو آپ
آپ کی اِس قدرتِ پُر نور سے | سربسر کون و مکاں روشن ہوئے
شعلہ افشانی جمالِ ذات کی | باعثِ گرمی ہے موجودات کی

یہ جلالی قوتیں ہیں شعلہ ریز — جلنے عالم کو تپش ہے تیز تیز
مجھ کو یہ بتلائیے اے ربِّ کون — آپ اس پُر خوف صورت میں ہیں کون
بندۂ ناچیز ہیں حضرت کا ہوں — ایک خادم درگہِ دولت کا ہوں
اپنے بندے پر نوازش کیجئے — ابرِ تر! پیاسے کو قطرہ دیجئے
کون ہیں آپ اے وجود آرائے جاں — اے ضیا بخشِ نظر افزائے جاں
آپ یہ کرتے ہیں کیا فرمائیے — کچھ نہیں سمجھا مجھے سمجھائیے
یوں زبانِ پاک پر آیا سخن — اے دلیرِ تیغ زن اے صف شکن
اس جہانِ زندگی کے واسطے — ظلمت و تابندگی کے واسطے
سر سے لیکر پاؤں تک ہوں میں اجل — خلقتوں کی ہے فنا میرا عمل
نیست کرنے کیلئے سب ہستیاں — اور بسانے کو قضا کی بستیاں
موت بنکر اس جگہ موجود ہوں — تاکہ یہ شغل ختم ہو ہاں نہ ہوں
بے تمہارے بھی نشانہ موت کا — ہو رہیں گے کوروانِ فتنہ زا

اس لیے تیار ہو بہرِ نبرد   دشمنوں کا قتل کر دو فرد فرد

شہرتیں حاصل کرو ہمت کے ساتھ   سلطنت کا عیش لو عزت کے ساتھ

اس جگہ موجود ہیں جتنے دلیر   تیغ در کف، صف شکن، مردانِ شیر

پیشتر اس کے کہ تم مارو انھیں   کاٹ دی ہیں میں نے سب کی گردنیں

صرف اتنا ہے کہ اے ارجن مجھے   قتل کو ان کے بہانہ چاہیے

اس لیے اٹھو لڑو اکڑو تنو   ان کی آئی کا بہانہ تم بنو

درونا چارج جیدرتھ بھیشم کرن   اور بھی جتنے ہیں ان میں تیغ زن

کاٹ ڈالو سب کو تیغِ تیز سے   پھونک ڈالو برقِ شعلہ ریز سے

کیونکہ میں پہلے ہی ان کی ہستیاں   کر چکا ہوں نذرِ مرگِ ناگہاں

خوف کیا ہے تم یہ گھبراتے ہو کیوں   جنگ سے پیچھے ہٹے جاتے ہو کیوں

دشمنوں کو جیتنے والے ہو تم   سورما رن رنگ متوالے ہو تم

اُس طرف سنجے نے راجا سے کہا   تاجدار ارجن نے جس دم یہ سنا

خوف سے اُس کو تپِ لرزہ چڑھی ——— جسم میں پھیلی سراسر تھرتھری
دست بستہ سرنگوں با اشک و آہ ——— یوں لگا کہنے کہ اے گردوں پناہ
آپ کی توصیف سے اہلِ جہاں ——— صورتِ گل ہیں سراسر شادماں
ڈر کے مارے بھاگتے ہیں چار سُو ——— بدخصال و بدنگاہ و فتنہ خو
آپ کی طاعت میں سب اہلِ صفا ——— محو ہیں دل سے یہ ہے بالکل بجا
کیوں نہ ہوں یہ آپ کی طاعت گذار ——— آپ حق ہیں آپ ہیں پروردگار
آپ برہما سے بھی ہیں پاکیزہ تر ——— آپ کے دم سے ہی برہما جلوہ گر
اے خدائے پاک اے انوارِ جاں ——— آپ ہی ہیں جلوہ آرائے جہاں
رُوح بھی اور مادّہ بھی آپ ہیں ——— بے نشاں ذاتِ خدا بھی آپ ہیں
سب کے خالق آپ ہیں سب سے قدیم ——— سب کے حافظ سارے عالم میں مقیم
آپ ہیں شاہد بھی اور مشہود بھی ——— آپ ناموجود بھی موجود بھی
آپ ہی ہیں سب کی ہر جائے قیام ——— آپ ہی سے ہے یہ عالم کا نظام

اے ہزاروں صورتوں والے خدا — آپ ہر صورت میں ہیں جلوہ نما
آپ ہی کے نور سے ای ضوفشاں — بقعۂ انوار ہے سارا جہاں
مہر و ماہ و آتشِ شعلہ فشاں — مرگ و باد و ابرِ صد قطرہ چکاں
الغرض برہما کہ برہما کا پدر — جنکو رب النوع کہتے ہیں بشر
آپ ہی ہیں اے جہاں کے کارساز — آپ ہی کی ذات ہے بندہ نواز
سب سے افضل سب سے فائق آپ ہیں — سینکڑوں سجدوں کے لائق آپ ہیں
زیر و بالا راست و چپ پشت و رو — الغرض ہیں آپ ہر جا سو بسو
اِسلئے ہر سمت سے عالی مقام — آپ کو کرتا ہوں میں جُھک کر سلام
شانِ اعلیٰ قوتِ برتر ہیں آپ — ہر طرف ہر سمت جلوہ گر ہیں آپ
اِسلئے ہیں آپ ہی سب کچھ یہاں — خالق و مخلوق و راز و رازداں
آپ کو اے ذاتِ پاکِ سرمدی — دوست اپنا جان کر میں نے کبھی
کہدیا ہو پیار سے یا بھول سے — اے کرشن اے یادو اے دلبر مرے

ایسی گستاخی کے لفظوں سے اگر
آپ کچھ ناراض ہوں اے صد نظر

اپنا بندہ جان کر کیجے معاف
اپنا خادم مان کر کیجے معاف

چلتے پھرتے بیٹھتے اُٹھتے کہیں
خلوت و جلوت میں یا اے ہمنشیں

یا یونہی دورانِ خواب و خور کبھی
میں نے کی ہو آپ سے کچھ دل لگی

ایسی سب حرکات سے نادم ہوں میں
عفو کا طالب ہوں میں خادم ہوں میں

بخشدیجے قادرِ مطلق مجھے
رحمتِ یرحق کا ہو تا حق مجھے

ساکن و متحرک اشیائے جہاں
آپ میں موجود ہیں سب ہیں عیاں

آپ سب کے باپ ہیں اے ربِّ داد
قابلِ عزت ہیں مرشد سے زیاد

جب نہیں کوئی برابر آپ کے
کون ہو سکتا ہے بڑھ کر آپ سے

اِس لئے تعظیم سے اے رہنموں
چاہتا ہوں آپ کو میں خوش کروں

جس طرح سے یار اپنے یار کے
عاشق اپنے دلبر و دلدار کے

اور باپ اپنے پسر کے سب قصور
عفو کر دیتا ہے اے والا حضور

بس یوں ہی اے ربِ من آقائے من
جانِ من، ایمانِ من، مولائے من

اپنے بندے پر بھی رحمت کیجئے
سب گناہوں سے بریت دیجئے

ایسا جلوہ جو کبھی دیکھا نہ تھا
دیکھ کر میں شاد ہوں سرتاپا

خوف سے لیکن ہے دل پُر اضطراب
دیکھتی کچھ بھی نہیں چشمِ پُر آب

اسلئے اپنا وہی پہلا جمال
پھر مجھے دکھلایئے اے ذوالجلال

خالقِ کون و مکاں اے جانِ جاں
آپ مجھ ناچیز پر ہوں مہرباں

تاج سر پہ ہاتھ میں چکر و گدا
پھر وہی عالم ہو ذاتِ پاک کا

آپ کے بازو ہزاروں دیکھ کر
بندۂ ناچیز کو آتا ہے ڈر

چار بازو والی پھر صورت مجھے
اے محیطِ سہ جہاں دکھلایئے

عرضِ ارجن کو ملا شرفِ قبول
سمٹ کر صورت کا اپنی عرض و طول

ہنس کے فرمایا کہ اے پاکیزہ دل
کیوں ہے اتنا مضطرب کیوں مضمحل

میں نے خوش ہو کر تری خدمات سے
منظرِ قدرت تجھے دکھلا دئے

ایسے منظر جو سراسر جلوہ تھے
چشمِ باطن سے تری بے پردہ تھے

ایسے جلوے جنکا آغاز اختتام
کچھ نہیں ہرگز نہیں اے نیکنام

آجتک جنکو کبھی دیکھا نہیں
چھوڑکر تجھ کو کسی نے بالیقیں

علم سے بخشش سے نیک افعال سے
شغلِ زہدِ سخت و استقلال سے

جس طرح دیکھا ہے تم نے ہر کہیں
اس طرح سے دیکھنا ممکن نہیں

یہ جلالی قدرتیں یہ معجزے
یہ کرشمے اور یہ جلوے مجھے

کسکو طاقت ہے عیاں دیکھے اگر
چشمِ ظاہر سے ان آنکھوں سے کہیں

میری ایسی شکلِ ہیبت آفریں
دیکھ کر تم کیوں ہوئے اندوہگیں

مضطرب کیوں ہو پریشاں کیوں ہو تم
کس لیے دریائے حیرت میں ہو گم

خوف کے عالم میں گھبراؤ نہیں
دل سنبھالو ہوش میں آؤ کہیں

پیار سے میرا وہی پہلا جمال
پھر سے دیکھو اے عزیز خوشخصال

سچ بولا راجہ سے سنجے شم سے
اس طرح ارجن سے کہہ کر کرشن نے

اپنا پہلا حُسن پھر چمکا دیا
کرشن ہُو نہیں کرشن یہ دِکھلا دیا

دیکھ کر صد مضطر و غمگینِ دِل
کرشن بنکر دِی اُسے تسکینِ دِل

دیکھتے ہی صُورتِ آں جسمِ پاک
بول اُٹھا یوں ارجنِ اندوہناک

آپ کی یہ شکلِ دِلکش دیکھ کر
مطمئن ہُوں شاد ہُوں ہیں سَرسبز

آگیا ہُوں از سرِ نو ہوش میں
مِٹ گئیں سب اضطرابی کلفتیں

شاد جب دیکھا دِلِ دِلدار خویش
یُوں گہرافشاں ہوئی ذاتِ ہمیش

مہرِ ذاتِ سرمدی کی روشنی
یہ جمالی یہ جلالی روشنی

الغرض میرے تمام انوارِ ذات
قدرتِ بے انتہا اسرارِ ذات

تم نے دیکھے ہیں جو بخشش سے مری
تاب کس کی ہے انھیں دیکھے کوئی

دیوتاؤں کو بھی ہے ارمانِ دید
ہو نہیں سکتا مگر سامانِ دید

عِلم و شغل و زُہد سے خیرات سے
اِس طرح ہے دیکھنا مشکل مجھے

جس طرح دیکھا ہے تم نے جانِ من
چار سُو جلوہ گرو جلوہ فگن

صرف اے ارجن مرا حسنِ جمال — دیکھ سکتے ہیں وہی فرخندہ فال
عشق بیحد جن کے آب و گِل میں ہے — مجھ سے پاکیزہ عقیدت دل میں ہے
جو فدا ہیں میرے اسم و ذات پہ — ہے یقیں جن کو مری ہر بات پر
جان سکتے دیکھ سکتے ہیں مجھے — شاد ہو سکتے ہیں میرے وصل سے
جس کے ماہ و سال ہیں میرے لئے — جس کے سب افعال ہیں میرے لئے
میں ہی جس کا مطلبِ مطلوب ہوں — میں ہی جس کا شاہد و محبوب ہوں
لذتِ افعال سے جو دور ہے — زہد و طاعت میں مری مسرور ہے
جو کسی سے دشمنی کرتا نہیں — قلب میں ما و منی سمجھتا نہیں
وہ مجھے پاتا ہے باہستِ دوام — وصل سے ہوتا ہے میرے شاد کام

خداوندِ مطلق اور ارجن کے مکالمات سے وِشو روپ درشن یوگ پر مشتمل مقدس گیتا کا جو سر بسر علمِ الٰہی خلاصۂ رموزِ معرفت اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے اور جسے پنڈت نظر سوہانوی نے اردو نظم کا لباس دیا ہے

گیارھواں باب ختم ہوا

باب ۱۲ دوازدہم

عرض کی ارجن نے اے ربِّ ودود
اے خداوندِ جہانِ ہست و بود

آپ نے جو کچھ بیاں فرمایا ہے
جیسا اپنے آپ کو دکھلایا ہے

ان مسائل پر عمل پیرا ہیں جو
دو طرح کے ان میں ہیں پاکیزہ خو

ایک ایسے عارفانِ حال و قال
عشقِ صادق سے ہیں مصروفِ جمال

جسم والا مانتے ہیں آپ کو
روح و قالب جانتے ہیں آپ کو

ایک ایسے شاغلِ سرمست ہیں
بے نیازِ ہر بلند و پست ہیں

ذاتِ بے قالب کے ہیں طاعت گذار
بے فنا بے خلق کے ہیں جاں نثار

کون عامل ان میں ہے پاکیزہ تر
کون ان دونوں میں ہے صاحب نظر

عرض ارجن پر ہوا ارشاد یوں
اے ستم پروردۂ دنیائے دوں

مجھ میں اپنا دل لگا کر جو بشر
صدقِ دل سے ہے مرا جلوہ نگر

جسکو سر تا سر عقیدت مجھ سے ہے | انتہا درجے کی اُلفت مجھ سے ہے
ایسے شاغل کے مراتب ہیں زیاد | سب میں افضل ہیں وہ پاکیزہ نہاد
اور وہ عارف کہ جو خواہش سے دُور | عقل و دِل کی فکر و آلائش سے دُور
جنکا دائم شغل ہے ضبطِ حواس | نفس کی شمشیر سے ہیں بے ہراس
سب سے رکھتے ہیں سلوک و آشتی | جُملہ مخلوقات کے ہیں خدمتی
کرتے ہیں اُس پاک برتر کا خیال | جو ہے بیحد بے نہایت بے زوال
ساکن و قائم محیط ہر مکاں | اور ہر شے کی لطافت میں نہاں
جس کے جلووں کا بیاں دشوار ہے | دیکھنا جس کو عیاں دشوار ہے
ایک عالم میں برابر سب میں ہے | ناظر و منظور و منظر سب میں ہے
جو تعین سے ہے بالاتر کہیں | ہر جگہ ہوتا ہُوا بھی کچھ نہیں
ایسے عارف بھی جدا اثبات میں | وصل ہو جاتے ہیں میری ذات میں
لیکن ایسے شاغلوں کو لاکلام | کلفتوں سے واسطہ پڑتا ہے عام

گو یہ سچ ہے کہ ہر قدم پر مشکلیں
رہ گئی ہیں راہِ منزل کی حدیں

کیونکہ بے قالب خداوندِ سرمد
اہلِ قالب کے تصور سے ہے دور

جو بری ہو صورت و تصویر سے
کس طرح اُس کا تصور ہو سکے

جو بشر دیتے ہیں اپنا دل مجھے
نذر کرتے ہیں یہ آب و گِل مجھے

بے غرض کرتے ہیں ہر فعل و عمل
جانتے ہیں تجھ کو ربِ عزّ و جل

جذبۂ کامل سے ہیں تجھ پر نثار
صدقِ دل سے ہیں مُرے طاعت گزار

ایسے انسانوں کا میں اے تیغراں
خود کفیلِ کار ہوتا ہوں یہاں

بحرِ عصیاں سے اُنہیں میں جلد تر
پار کر دیتا ہوں بے دامانِ تر

اپنے دِل کو اور اپنی عقل کو
مجھ میں استقلال سے قائم کرو

پھر مجھی کو پاؤ گے تم بالیقیں
ہور ہو گے میری منزل کے مکیں

گر تمہیں میرا تصور ہو محال
مجھ میں اپنا دِل لگانا ہو بال

تو یہ لازم ہے کہ بے شام و سحر
مشقِ شغلِ ذات پر باندھو کمر

اور اگر یہ مشق بھی دشوار ہو
اپنے سب افعال مجھ کو نذر دو

کام جو کچھ بھی کرو میرے لئے
فعل کے فاعل بنو میرے لئے

اس طرح بھی پاؤ گے میرا وصال
مجھ میں مل جاؤ گے تم اے خوش خصال

اس میں بھی گر مشکلیں آئیں نظر
ہو سکو قادر نہ نذرِ فعل پر

تو مرے دیدار کی خواہش کرو
دل پہ قابو پاؤ مارو نفس کو

میری رحمت پر بھروسے پر مرے
ہاتھ اٹھاؤ ثمرۂ افعال سے

کیونکہ مشقِ شغل سے اے باخبر
علم حق ہے افضل و پاکیزہ تر

علم حق سے عشق ذات و عشقِ حق
برتر و بہتر ہے اے دور از قلق

اور عشقِ ذات سے ہے پیش پیش
ترکِ حظِ ثمرۂ اعمال خویش

کیونکہ ایسا ترک ہے وجہ نجات
باعثِ صبر و رضا و وصلِ ذات

جو کسی سے دشمنی کرتا نہیں
جسکا دل ہے لطف بیحد کا امیں

رحم و بخشش جس کا ہے حسن و جمال
مٹ گیا ہے میرا میرا کا خیال

دُور جس کے دل سے ہی کبر و غرور　　قدرتیں ہیں جسکو یہ عفوِ قصور

رنج و راحت دونوں یکساں ہیں جسے　　ایک گلزار و بیاباں ہیں جسے

نفس کش ہے صابر و سرمست ہے　　بے نیازِ ہر بلند و پست ہے

جس نے ہر دم عہد کو ایفا کیا　　اپنی عقل اور اپنا دل مجھ کو دیا

ایسا عارف ایسا پاکیزہ بشر　　مجھ کو پیارا ہے بہت اے نامور

جس سے سب ہیں شاد اور جو سب سے شاد　　نفسِ امّارہ ہے جسکا خانہ زاد

جسکا دل ہے عیش طیش غم سے دور　　نام کو جس میں نہیں کبر و غرور

ایسا عارف ایسا پاکیزہ بشر　　مجھ کو پیارا ہے بہت اے نامور

جسکو خواہش کچھ نہیں باقی رہی　　لوث سے ہے پاک جسکی زندگی

قاعدے سے کام جو کرتا ہی سب　　رات دن رہتا ہے محوِ ذکرِ رب

ہو چکا جو ایسے عالم کا مکیں　　ہے جہاں اندوہ نے اندوہگیں

جس کو کچھ بھی ڈر نہیں اعمال کا　　بے نیازِ ہر سزا و ہر جزا

ایسا عارف ایسا پاکیزہ بشر — مجھ کو پیارا ہے بہت اے نامور

شوق و نفرت سے بری ہو جسکی ذات — پا گیا بیم و رجا سے جو نجات

کر دیا ہے ترک جس نے نیک و بد — ایک حرفِ حق ہے جسکے گوش زد

ایسا عارف ایسا پاکیزہ بشر — مجھ کو پیارا ہے بہت اے نامور

دوست اور دشمن برابر ہیں جسے — برق اور خرمن برابر ہیں جسے

گرمی سردی عزّت و بے عزّتی — رنج و راحت خُرّمی نا خرّمی

ہجو و تعریف اور آلام و تعب — جسکی نظروں میں برابر ہیں یہ سب

جو ملے اُس پر توکّل ہے جسے — خار کے پہلو میں بھی گل ہو جسے

جو نہیں رکھتا ہے کوئی گھر یہاں — یعنی جس کا گھر ہے یہ سارا جہاں

جو ہے بالکل خواہشِ دُنیا سے دُور — سربسر آلائشِ دُنیا سے دُور

صبر و استقلال ہے جسکو نصیب — ایک منزل ہے جسے دور و قریب

ایسا عارف ایسا پاکیزہ بشر — مجھ کو پیارا ہے بہت اے نامور

میرے ارشادات کا آبِ حیات　　پی لیا جس نے ملی اُسکو نجات

مخمصے دُنیائے دُوں کے چھوڑ کر　　جو عمل کرتا ہے اِس تلقین پر

وہ ریاضت کار پاکیزہ بشر

مجھ کو پیارا ہے بہت اے نامور

خداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے بھگتی یوگ پر مشتمل

مقدس گیتا کا جو سر بسر علمِ الٰہی خلاصۂ رموزِ معرفت

اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے اور

جسے پنڈت نظرؔ سوہانوی نے اُردو

نظم کا لباس دِیا ہے ؛

بارھواں باب

ختم

ہُوا

باب ۱۳ سیزدہم

پھر زبانِ حق ہوئی گوہر فشاں — اے دلاور صاحبِ تیر و کماں
یہ جہاں یہ جسم یہ قالب جو ہے — اِس جہاں میں جانتا جو اِن کو ہے
جاننے والے صفات و ذات کے — راز دانِ راز کہتے ہیں اُسے
درحقیقت دہر میں اے باصفات — یہ جہاں بھی روح بھی ہے میری ذات
اِس جہان و روح کا یہ علمِ پاک — برتر از ہر علم ہے بر روئے خاک
یہ جہان جو کچھ بھی ہے جیسا بھی ہے — اِسکی خاصیت ہے کیا خود کیا ہے شئے؟
اور یہ خاصیتیں اے خوش لقب — جس طرح پیدا ہوئیں ان کا سبب
نیز یہ ارواح کیا ہیں سربسر — اور ان کا ہے جہاں پہ کیا اثر
مختصر تجھ سے بیاں کرتا ہوں میں — رازِ مخفی کو عیاں کرتا ہوں میں
عالموں نے مختلف انداز سے — مختلف اشعار میں اعجاز سے

اس کو لکھا ہے دُر الفاظِ الیقیں — اور کی ہے شرح بیحد دلنشیں
پانچ عنصر ہیں جہاں میں برملا — آب و خاک و آتش و باد و خلا
تین جوہر مادہ و کبر و عقل — ایک دُل اُس دُل کی حرکت اور نقل
پانچ اعضا دس حواسِ مدرکہ — ان حواسوں کے خیالِ خامسہ
پھر ان سب قوتوں کا نام ہے — جن سے پیدا صورتِ اجسام ہے
سہل لفظوں میں اسے تم یوں کہو — جسم کہتے ہیں جہانِ جسم کو
خود ستائی کی ہوس جس کو نہیں — فرض کا پابند ہے جو بالیقیں
عفو کرتا ہے جو اوروں کے قصور — راستی ہے جسکا پیشہ بے قصور
خدمتِ مرشد میں ہے جو گرمِ کار — ظاہر و باطن میں ہے آئینہ دار
نیک کاموں میں ہے جسکو انہماک — جسکا دل بس میں ہے جسکا نفس پاک
نام کو جس میں نہیں کبر و غرور — خواہشاتِ دنیوی سے دور دور
پیری و پیدائش و مرگ و مرض — جانتا ہے انکی جو وجہ و غرض

دُور ہے جو ثمرۂ افعال سے — بیغرض ہے نیک و بد اعمال سے
اُلفتِ فرزند و زن جس کو نہیں — زیور و زر کی لگن جس کو نہیں
راحت و تکلیف یکساں ہے جسے — خارِ صحرا گل بداماں ہے جسے
عشق کے جذبے سے جو مدہوش ہے — قلب جس کا مجھ سے وصلت کوش ہے
جس کو خوش آتا نہیں جمِ غفیر — جو ہے بالکل بے تعلق گوشہ گیر
علمِ ظاہر علمِ باطن ہے جسے — رات ہی رات اور دن دن ہی جسے
ایسے نیک اعمال کو لے قیل و قال — جانِ ہستی جانتے ہیں اہلِ حال
ایسے عالم کی صفاتِ پاک تر — جو بیاں اوپر ہوئی ہیں سر بسر
علمِ حق کے نام سے موسوم ہیں — کیونکہ انمیں جلوہ گر ہُو تمہیں ہی ہیں
اب سُناتا ہوں تمہیں اے باکمال — ذِکرِ ذاتِ پاک و ربِ ذوالجلال
جس کا ملنا ہے حیاتِ جاوداں — جس کے اندر ہے نجاتِ جاوداں
ایک ہے یہ سب اسی کا ہے ظہور — جسم و جاں سے برتر و بے مثل نُور

ابتدا و انتہا سے ہے بری
ہے اُسی کی چارسو جلوہ گری

بے تعلق ہے حق و باطل سے وہ
سب میں شامل دُور ہر شامل سے وہ

اُسکے ہر سُو ہیں ہاتھ گوش و سر
دست و پا و دیدۂ جلوہ نگر

سب کو دیکر صورتِ نقش و نگیں
اس جہاں میں آپ ہوتا ہے مکیں

جلوہ گر ہے وہ درِ احساسِ حواس
ہے مگر خود بے حواس و بے قیاس

گو صفاتِ ظاہری سے دُور ہے
لیک اُسی میں یہ جہاں مستور ہے

جملہ مخلوقات پر فائق ہے وہ
حمد کے توصیف کے لائق ہے وہ

وہ اگرچہ ہے سراسر بے صفات
ہر صفت میں پُر ہے لیکن اُسکی ذات

سب کے اندر سب کے باہر ہے وہی
سب سے بہتر سب سے برتر ہے وہی

ساکن و متحرک اشیائے جہاں
جو بھی ہیں کیا آشکارا کیا نہاں

سب اُسی سے ہیں وہ ہے موجودِ کل
ہے اُسی کے دم سے ہست و بودِ کل

اتنا الطف ہے نہیں آتا نظر
جاننا بھی اُسکا ہے دشوار تر

سب سے وہ نزدیک بھی ہے دُور بھی
ہر جگہ موجود بھی مستور بھی

ایک ہے واحد ہے ذات پُرثبات
اُسکے ٹکڑے ہوں نہیں ممکن یہ بات

لیکن اِس دنیائے دوں کے درمیان
منقسم سا سب میں ہوتا ہے عیاں

جملہ مخلوقات کی پروردگار
ہے وہی ذاتِ احدائے نامدار

موت و ہست و آفرینش کا سبب
سب کا مالک سب کا خالق سب کا رب

حق ہے وہ برحق ہی وہ ربِ غفور
نوریوں کا نور تاریکی سے دور

سب کے لوحِ دل پہ وہ مرقوم ہے
دو جہاں کا حال اسے معلوم ہے

قلبِ ہر شے اُس کا جلوہ خانہ ہے
شمع ہے وہ یہ جہاں پروانہ ہے

علم و جسم و روح کی یہ داستاں
چند لفظوں میں ہوئی ہے جو بیاں

جان کر اِسکو مر اطاعت گذار
اِس فنا کے بحر سے ہوتا ہے پار

مادّہ و روح بے قطع و برید
ہیں فنا و آفرینش سے بعید

مادّہ سے ہوتے ہیں پیدا یہاں
سب عوارض اور اوصافِ جہاں

جسم اور تابِ حواسِ مدرکہ ہیں جگر بندِ وجودِ مادّہ
رنج و راحت جسکا سب کو پاس ہے روح اِس کا باعث احساس ہے
جسم میں رہ کر یہ روح و ذاتِ دہر ہوتی ہے آلودۂ لذاتِ دہر
نیک و بد قالب میں آتی ہے جو روح بے طلب طالب میں آتی ہے جو روح
اسکا باعث ہے صفاتی کائنات یہ حواسِ جسم و مادی کائنات
روح یہ اِس جسم میں جو ہے نہاں پرورش ہے جسکا شیوہ بے گماں
جو ہے شاہد اور ہے نیکو صلاح جسکا مقصد سب کی بہبود و فلاح
ذاتِ برحق ذاتِ عالی ہے یہی اِس جہانِ غم کا والی ہے یہی
سب صفاتِ مادّہ کو روح کو جانتا ہے جو دلِ پاکیزہ خو
وہ تناسخ سے بری ہو جاتا ہے ہر میں مل کر خود ہری ہو جاتا ہے
محویت سے نورِ برحق کی کوئی دیکھتا ہے اپنے دل میں روشنی
کوئی تارک علم کی تنویر سے دیکھتا ہے دل میں جلوہ گر اُسے

بیغرض اعمال سے واصل کوئی　　لوٹتا ہے لطفِ وصلِ سرمدی

اور کچھ انساں ایسے ہیں یہاں　　ان مشاغل کے نہیں جو رازداں

سن سنا کر دوسروں سے ذکرِ ذات　　کرتے ہیں دن رات غور و فکرِ ذات

وہ بشر بھی بحرِ طوفانِ اجل　　پار کر جاتے ہیں بے خوف و خلل

بے حس و با حس یہاں جو کچھ بھی ہے　　یہ مکانِ لامکاں جو کچھ بھی ہے

اتصالِ روح و قالب کے سبب　　ہیں وجود و بود کے لذت طلب

سب میں یکساں جس کی ہست و بود ہے　　جملہ مخلوقات میں موجود ہے

فانیوں میں جس کی ذاتِ پاک تر　　بے فنا انوار سے ہے جلوہ گر

دیکھتا ہے جو اسے ہر شش جہات　　آنکھ رکھتا ہے وہی پاکیزہ ذات

ذاتِ برحق ذاتِ ربّ ذاتِ رحیم　　جو ہے یکساں ہر طرف ہر جا مقیم

وہ بشر وہ پاک دل وہ پاک خو　　دیکھ کر اس ذات کے انوار کو

اپنی ذلت کا سبب ہوتا نہیں　　اپنے ہاتھوں آپ کو کھوتا نہیں

اِس طرح کرتا ہے حاصل بیگماں
وصلِ ذاتِ حق نجاتِ جاوداں

فعل کا فاعل ہے جسمِ مادّی
روح ہے افعال سے بالکل بری

جانتا اس راز کو ہے جو بشر
ہے وہی عالِم وہی اہلِ نظر

اس جہاں کی سب صفاتی قدریں
دیکھتا ہے جب کوئی مجھ ایک ہیں

اور جس دم جان لیتا ہے یہ راز
ایک ہی خالق کا ہو سب ساز باز

پھر وہ پاکیزہ بشر پاکیزہ کار
منزلِ جاناں میں پاتا ہے قرار

روح ہے بے ابتدا بے انتہا
بے صفات و بے زوال و بے ریا

گو مکانِ جسم میں آباد ہے
قید سے افعال کی آزاد ہے

فعل کا اس پر اثر ہوتا نہیں
دامنِ انوار تر ہوتا نہیں

جس طرح اپنی لطافت سے خلا
ہر جگہ ہر چیز میں ہوتا ہُوا

سر بسر بے میل سب بے آلود ہے
روح بھی سب میں یونہی موجود ہے

قالبِ خاکی میں رہ کر جا بہ جا
ہو نہیں سکتی یہ آلودہ ذرا

جس طرح سے عرش و فرش و خاک پر
ہے ضیا پاش ایک مہرِ جلوہ گر

بس یونہی اس جسم کو یہ روح پاک
کرتی ہے پُر نور پُر ضو تابناک

جان لیتے ہیں جو رازِ جسم و جاں
اور اسرارِ نجاتِ جاوداں

وا ہیں جنکے دیدۂ انوار بیں
جن کی چشمِ قلب ہے اسرار بیں

ملتی ہے ان کو حیاتِ جاوداں
پاتے ہیں وہ میری منزل میں مکاں

خداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے جسم و روح کے صفات

پر مشتمل مقدس گیتا کا جو سر لسیر علم الٰہی خلاصہ

رموزِ معرفت اور مکمل حقائق علوم کی الہامی

کتاب ہے اور جسے پنڈت نظر سوہانوی

نے اردو نظم کا لباس دیا ہے

تیرھواں باب ختم

ہوا

باب چہاردہم ۱۴

یوں ہے پھر ارشادِ خلاقِ جہاں — اے دمِ اغیار را برقِ جہاں
پھر بتاتا ہوں تمہیں وہ رازِ ذات — علم ہے جس راز کا علم الحیات
جان کر جسکو پرستارانِ حق — ہوتے ہیں وابستۂ دامنِ حق
جو بشر اس علم سے ہیں بہرہ یاب — اور وصلِ ذاتِ حق سے کامیاب
وہ ہیں دور از گردشِ بود و نبود — وہ کبھی پاتے نہیں خاکی وجود
میں جب اپنے تخم سے با صد کرم — بارور کرتا ہوں قدرت کا شکم
تب یہ مخلوقاتِ جملہ کائنات — تمام صورت میں پاتی ہیں حیات
جتنی چیزیں ہیں یہاں جو کچھ بھی ہے — بے رواں بارواں جو کچھ بھی ہے
قدرت ان سب کی ہے مادر میں پدر — ہے ہمیں سے یہ جہانِ خشک و تر
میری اس قدرت کی سہ خاصیتیں — جو ہیں ظاہر علم و شوق و جہل میں

نغمۂ الہام

روح کو رکھتی ہیں قالب میں اسیر
بے طلب ہستی کو طالب میں اسیر

یہ بھی اب سن لو کہ یہ خاصیتیں
روح کو رکھتی ہیں کیونکر جسم میں

علم چونکہ پاک و جلوہ ریز ہے
بے کثافت ہو لطافت خیز ہے

اسلئے راحت کی دانش کی ہوس
روح کو رکھتی ہے پابندِ قفس

شوق کا دامن ہو پُر از حرص و آز
خواہشاتِ دنیوی کا دل نواز

اسلئے اعمال کے یہ ذوق شوق
ڈالتے ہیں روح کی گردن میں طوق

جہل بے علمی سے پاتا ہے ظہور
اس کی دنیا ہے پُر از وہم و فتور

عیش و خوابِ غفلت اسکا ہیں وجود
یہ وہ کافر ہے کہ ہے عالم ربود

بس اسی نتیجے کے سے یہ ذلت پسند
روح کو رکھتا ہے اس قالب میں بند

علم لے جاتا ہے راحت کی طرف
شوق سے اعمال کا دامن بکف

لیکن اے ارجن یہ جہل نابکار
طائرِ دانش کو ہے اک دام دار

جانبِ مستی و غفلت و شی
کھینچتا ہے سب کو یہ کمبخت ہی

گاہ کرکے زیرِ شوق و جہل کو / برتری پاتا ہے علم اے نیک خو
گاہ دکھلاتا ہے چشمِ شعلہ بار / شوق علم و جہل پر ہو کر سوار
اور ہوتے ہیں کبھی مغلوبِ جہل / علم و شوق اے واقفِ دشوار و سہل
جہل کی تاریکیاں جس دم ہوں دور / ہوں حواسِ جسم و قالب نور نور
اُس گھڑی یہ جان لینا چاہیے / جسم ہے پُر نورِ مہرِ علم سے
حرص و فکر و اضطراب و آرزو / تن کے آئینہ میں ہوں جب روبرو
ہے دلیل اس بات کی اے خوش نظر / شوق غالب جسم پر ہے سربسر
بے وقوفی عیش و عیاشی و خواب / کاہلی سستی ہو جس دم غلبہ یاب
جان لو یہ جسم بے نور و نظر / ہے جنونِ جہل کا شور یہ سر
فرط و جوشِ علم کے اوقات میں / جو فدا کارِ عبادت جان دیں
ایسی منزل کے وہ ہوتے ہیں مکیں / جس سے کوئی لوٹ کر آتا نہیں
نزع میں جس پر ہو قابو شوق کا / اُس بشر پر پھر درِ دنیا ہوا

اور اگر ہو جہل کی حالت میں موت
یا ہو کوئی عالمِ غفلت میں فوت

تو اُسے ملتی ہے حیوانی حیات
طائروں کی یا بہائم کی حیات

علم کا ثمرہ ہے تسکین و نجات
شوق کا پھل ہے غم و رنجِ صفات

جہل کا حاصل ہے اے مردِ جری
بے وقوفی بے بسی خیرہ سری

علم سے ہوتا ہے پیدا اے سکوں
شوق سے حرص و محبت کا جنوں

جہل سے سرمستی و سر خیرگی
بدنگاہی بدنمائی تیرگی

علم والے راہِ بالا پے بہ پے
عشق کے اشغال میں کرتے ہیں طے

شوق والے درمیان ہست و بود
زندگی پاتے ہیں بے شرط و قیود

جہل والے جنکے دِل ہیں تنگ تنگ
پستیوں کے غار میں کھاتے ہیں سنگ

فعل کا فاعل جہاں میں بالیقیں
جز صفاتِ مادّہ کوئی نہیں

روح بالکل پاک ہے بے لاگ ہے
برق دم ہے شعلہ خو ہے آگ ہے

جانتا ہے جو بشر یہ رازِ ذات
بعد مُردن اس کو ملتی ہے نجات

جو بشر سرمست ہے پُر ذوق ہے
بے نیازِ جہل و علم و شوق ہے

پیری و مرگ و ضعیفی کا خطر
مِٹ گیا ہے جس کے دل سے سر بسر

اس کو ملتی ہے حیاتِ جاوداں
اس کو حق ہے بر نجاتِ جاوداں

عرض کی ارجن نے اے عالم فروز
اے بقا داے فنائے دہر سوز

جس بشر سے دُور رہیں تینوں صفات
پا گیا جو رنج و راحت سے نجات

اس کی کیا پہچان ہے فطرت ہی کیا
اسکا کیا اخلاق ہے عادت ہی کیا

اور ہو سکتا ہے کیونکر بے تعلق
کوئی انساں تارکِ و شمولِ حق

سُنکر اپنے دلربا کا یہ سوال
یُوں ہوا ارشادِ ربِ پُر جلال

شوق و علم و جہل غالب ہوں اگر
جسم پر پا کچھ نہ ہو ان کا اثر

جسکو اس عالم میں اے انوار ہیں
اِن سے کچھ نفرت نہیں الفت نہیں

ترکِ علم و ترک جہل و ترکِ شوق
جس کا شیوہ ہو اُسے سب ہی فوق

اپنا اپنا کام کرتی ہیں صفات
سر بسر بے واسطہ ہے میری ذات

جانتا ہے جو یہ رازِ ہست و بود
ہے وہی تارک ہی پاکیزہ دود

راحت و تکلیف یکساں ہے جسے
ہجو اور تعریف یکساں ہے جسے

ہوش قائم عقل ہے جسکی درست
خواب سے غافل نہ بیداری سے چست

سنگ و خاک و زر برابر جسکو ہیں
کمتر و بہتر برابر جس کو ہیں

دوست دشمن میں جو بے تمیز ہے
جسکو عشق ذات ہی ہر چیز ہے

عزت و بے عزتی بند و نجات
جسکی دنیا میں ہیں سب اک بات

جسکا دل ہے واقف و آگاہِ راز
ثمرہ اعمال سے ہے بے نیاز

وہ بشر ہے تارکِ دنیائے دوں
وہ بشر ہے واقفِ رازِ دروں

صدقِ دل سے پُر عقیدت جو بشر
جان دیتا ہے مرے انوار پر

انتہائے عشق سے لیل و نہار
بندگی میں ہے مری سرگرم کار

پار ہو جاتا ہے بے مددِ کسے
بحرِ موّاج صفاتِ دہر سے

کیونکہ میں ہوں بے فنا و پُر لقا
ہے مجھی سے ابتدا و انتہا

ذرہ ذرہ میں ہے روشن میرا نور
سب ہیں میرے آدم و وحش و طیور

قدرت و قانونِ قدرت مجھ سے ہی
فطرت و اسبابِ فطرت مجھ سے ہے

میں ہوں یکسر علم سر تا سر سرور
جلوہ گر ہوں ہر جگہ نزدیک و دور

خداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے صفاتِ مادہ پر مشتمل مقدس
گیتا کا جو سر بسر علمِ الٰہی۔ خلاصہ رموزِ معرفت اور مکمل
حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے اور جسے
پنڈت نظر سوہانوی نے اردو
نظم کا لباس دیا ہے +
چودھواں باب ختم ہوا

باب ۱۵ پانزدہم

پھر لبِ اعجاز ہیں سحر آفریں
اے مرے اسرار کے انوار ہیں

ہے مری جو یہ صفاتی کائنات
میری اپنی میری ذاتی کائنات

اسکی یوں تشریح کی جاسکتی ہے
اس کو یوں تشبیہ دی جاسکتی ہے

اک شجر پیپل کا سمجھو سامنے
جس کی اوپر ہیں جڑیں نیچے تنے

برگ جس کے وید ہیں اے نامدار
ہے خزاں سے بے خبر جس کی بہار

اس شجر کا جس کو ہے معلوم بھید
وہ بشر ہی واقفِ اسرارِ وید

اس کی شاخیں علم و شوق و جہل سے
چار سو ہیں پرورش پائے ہوئے

کونپلیں جتنی ہیں اُنمیں ہیں بھری
جملہ لذاتِ و خواص عنصری

بیخ آویزاں کہ ہیں بے انتہا
سر بسر اعمال کا ہیں سلسلہ

اور ہیں پھیلی ہوئی بے شبہ و شک
اس جہاں میں سمتِ زیریں دُور تک

لیکن اے ارجن وجودِ ایں شجر — اک بشر کو بھی نہیں آتا نظر

از کجا ہے تا کجا اس کا وجود — اور کس پر منحصر ہے ہست و بود

کیا ہے اس کی ابتدا کیا انتہا — رازِ مخفی ہے نہیں کھلتا ذرا

ایسی مضبوطی سے جڑ پکڑے ہوئے — نیچے اوپر ہر طرف پھیلے ہوئے

اس شجر کو تیشۂ تسلیم سے — یہ سمجھ کر کاٹ دینا چاہیئے

ہیں صفاتی دہر کا بندہ نہیں — ہے مجھے اک ذات برحق پہ یقیں

جس سے نکلی ہے یہ جملہ کائنات — جو ہے خلاقِ ثبات و بے ثبات

اس طرح سے عارفوں کو وہ مقام — ڈھونڈھ لینا چاہیئے اے نیکنام

جس کا ہر مسکن پذیرِ دہر کیں — اس جہاں میں لوٹ کر آتا نہیں

جو بشر کبر و محبت سے ہے دور — نفرت و شوق و عداوت سے ہے دور

جس نے اپنے نفس کو قابو کیا — ہر تمنا ہر ہوس کو کھو دیا

محو نورِ ذات ہے جو روز و شب — جسکو یکساں بزمِ غم بزمِ طرب

ایسا پاکیزہ دل ایسا نیک نام — بعد مرنے کے وہ پاتا ہے مقام
مہر و مہ روشن نہیں کرتے جسے — آتشیں جلوے نہیں بھرتے جسے
ہے یہی منزل گہِ نایاب من — جلوۂ من جلوۂ پُرتاب من
جس میں جا کر پھر کوئی آتا نہیں — ذِلتوں کی ٹھوکریں کھاتا نہیں
میرا ہی جزوِ قدیم اے نیک فال — اِس جہاں میں روح بنکر بے ملال
ایں قلوب و ایں حواسِ جسم را — جانبِ خود مے کشد بے اِلتجا
پیکرِ خاکی میں جب آتی ہے روح — یا کسی تن سے نکل جاتی ہے روح
ان حواس و قلب کو یہ خوش خرام — ساتھ لے کر آتی جاتی ہے مدام
بُوئے گل کو جس طرح گُل سے ہوا — ساتھ لے جاتی ہے اپنے جا بجا
رُوح اِس دل ان حواسِ خمسہ سے — لذّتِ دُنیا کے لیتی ہے مزے
لیکن اس حظ گیر کو اے ہمنشیں — بیروں از قالب ہو یا قالب گزیں
بیوقوف انساں نہیں پہچانتے — جن کے دل روشن ہیں وہ ہیں جانتے

اہلِ ہمت شغل جن کا پیشہ ہے — نفس جنکا زیرِ دستِ تیشہ ہے
نورِ پیکر دیکھتے ہیں وہ اسے — اپنے اندر دیکھتے ہیں وہ اسے
اور جو انساں ہیں بے چشمِ شعور — دیکھ سکتے ہی نہیں وہ اسکا نور
نیرِ عالمتاب ہے جو ضو فگن — میرے اک جلوے کی ہی بس اک کرن
آتش و مہتاب روشن مجھ سے ہے — ہر منوّر جلوہ افگن مجھ سے ہے
مجھ سے ہے ارض و سما کا کل نظام — ذرّہ ذرّہ ہے مری جائے قیام
میری ہی قدرت سے اے برمن نثار — سب جماداتِ زمیں ہیں آشکار
میں ہوں ماہِ پُر عروق و تازگی — جس سے بڑھتی ہے تی زندگی
میں ہی بنکر آتشِ پنہانِ دہر — سب میں رہتا ہوں مثالِ جانِ دہر
جتنے یہ اجسام آب و گِل کے ہیں — انکے دم انکے نفس سے ملکے ہیں
چار قسموں کا یہاں جو ہے اناج — ہضم کرتا ہوں اسے اے نورِ تاج
میں ہوں سب کے قلب میں مسکن پذیر — ذہن میں ہوں عقل میں ہوں میں ضمیر

یاد رکھ یہ بات اے نکتہ شناس
حافظے کا علم کا مجھ سے ہے پاس

میں ہی ویدوں کے ذریعے سے یہاں
جاننے کا راز ہوں اے رازداں

میں ہی ویدوں کا مصنف ہوں ہی وید
جانتا ہوں میں ہی سب ویدوں کا بھید

دو ہی جلووں سے یہ امکانِ وجود
زندگی پاتا ہے اور شکل و نمود

ایک جلوہ اِن میں فانی ہے مرا
ایک جلوہ جاودانی ہے مرا

جتنی اشیاء ہیں فانی ہیں تمام
روح کو حاصل ہے بس ہست و دوام

یہ جو دو جلوے ہیں روح و مادہ
تیسرا ایک اور ہے اِن سے جُدا

قادرِ مطلق ہے جسکا اسم پاک
جسکو کہتے ہیں خدائے عرش و خاک

ذات اُس کی بے فنا بےمثل ہے
ہے اُسی میں دہر کی ہر ایک شے

اک وہی ہے شاملِ ہر سہ جہاں
وہ ہی وہ ہے کیا عیاں اور کیا نہاں

ہے اُسی کے دم سے قائم ہست و بود
ہے وہی اک حاملِ بارِ وجود

مادے سے جسطرح بڑھ کر ہوں میں
روح سے بھی یونہی افضل تر ہوں میں

ہے یہی باعث کہ سارے رازداں
کہتے ہیں مجھ بے فنا کو جانِ جاں

چھوڑ کر دنیا کو جو انسانِ نیک
اِس طرح سے جانتا ہے مجھ کو ایک

بندۂ حق ہے وہی کامل وہی
رازدانِ عقل و نفس و دل وہی

میں نے اے ارجن یہ اسرارِ نہاں
مختصر تجھ سے کئے ہیں جو بیاں

جان کر ان کو پرستارانِ ذات
کلفت و راحت سے پاتے ہیں نجات

خداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے پرشوتم یوگ پر مشتمل مقدس گیتا کا جو سر بسر علمِ الٰہی خلاصہ رموزِ معرفت اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے اور جسے پنڈت نظر سوہانوی نے اُردو نظم کا لباس دیا ہے۔

پندرھواں باب
ختم ہوا

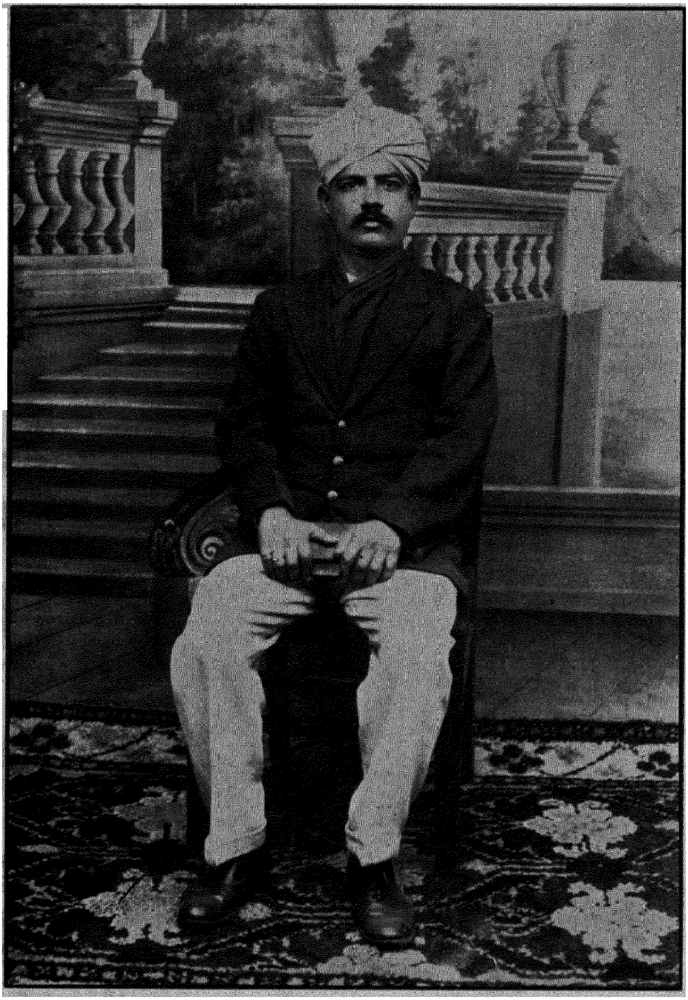

بابو کالی چرن داس اسکول ماسٹر ریلوے شہر غازی آباد
آپ ہی کے متواتر تقاضوں سے گیتا کا ترجمہ ہوا
اور آپ ہی کی مساعی سے یہ مقدس کتاب شائع ہوئی

باب شانزدہم

جانِ جاں جلوہ گرِ کون و مکاں
ہیں زبانِ پاک سے گوہر فشاں

صبر و بے خوفی و زہد و راستی
ضبطِ دل ضبطِ نفس ضبطِ خودی

پاکبازی پاک علمی سادگی
رحم و بخشش عفو پر آمادگی

عاجزی و صلح و ترکِ خواہشات
ہمّت و لطف و غنا و یادِ ذات

فیضِ سنجیدہ مزاجی بے منی
ترکِ دنیائے دنی و دشمنی

نیک بندوں کے یہی اوصاف ہیں
جن کے مثلِ آئینہ دل صاف ہیں

خود نمائی، خود پسندی، کافری
مکر بے علمی غرور و بربری

مردم آزاری جہل و طیش و جوش
خصلتیں ان کی ہیں جو ہیں خود فروش

نیک اعمالی کا ثمرہ ہے نجات
اور بدکاری کا زندانِ حیات

اسلئے اے ارجنِ فرخندہ فال
تم کو کیا افسوس ہے کیا ہی ملال

کیونکہ تم تو نیکیوں کے ذکر پہ | نیک بندوں میں ہوئے ہو جلوہ گر
اِس جہاں میں دو طرح کے ہیں بشر | ایک بدکار ایک پاکیزہ سیر
نیک انسانوں کا ذکرو حال سب | سُن چکے ہو مجھ سے تم اے خوش لقب
اب سُنو بدکار انسانوں کا حال | اُن کی فطرت کیا ہے کیا اُنکا خیال
جانتے بالکل نہیں وہ بدیقیں | کیا ہے کرنا اور کیا کرنا نہیں
اُنکی فطرت میں نہیں زندہ دلی | راستی، اخلاق، پاکیزہ دلی
وہ سمجھتے ہیں جہاں ہست و بود | وہم ہے دھوکا ہے بے شانِ نمود
اِس کا صانع ہے نہ خالق ہے کوئی | اِس کا مالک ہے نہ رازق ہے کوئی
یہ بھی کہتے ہیں کہ رشتہ بالیقیں | صنعت و صانع کا باہم کچھ نہیں
پاتے ہیں ترتیب جب عنصر تمام | یہ جہاں ہوتا ہے پیدا الکلام
ایسے بدکار ایسے بد باطن بشر | بدخصال و بدسگال و بدسیر
اِس جہاں کی ہیں تباہی کا سبب | آپ اپنی رُوسیاہی کا سبب

اِن کی اُمیدیں ہیں ایسی بیشتر
جو نہ پوری ہوں جہاں میں عُمر بھر

مستی و کبر و غرور و جہل سے
بس میں آکر خواہشاتِ نفس کے

بہرِ عشرت کرتے ہیں افعالِ بد
ہوتے ہیں آلودہ اعمالِ بد

اُنکا شیوہ فکرِ لاحاصل میں ہے
سعیٔ ناکام اُنکے آب و گل میں ہے

ان کا مقصد حظِّ نفسانی ہے بس
ہے یہی ارماں یہی اُن کی ہوس

کبر و غصّہ سے انہیں فرصت نہیں
ہیں غلامِ نفسِ لذّت آفریں

بہرِ تکمیلِ لذائذ بے خطر
مکر سے کرتے ہیں جمع مال و زر

دِل میں پھر لاتے ہیں وہ ایسے خیال
آج یہ پورا کیا کارِ محال

آرزو جو دِل میں ہے اُسکو بھی کل
درجۂ تکمیل دونگا بے خلل

مال و زر ہے جسقدر اب میرے پاس
اور بھی اتنا ہی ملنے کی ہے آس

ایک دشمن کو تو دی میں نے شکست
اب کروں گا دوسروں کا بندوبست

پھر مجھے کس بات کا غم خوف کیا؟
درد و کلفت کو مری جانے بلا

میں ہی عارف میں ہی کامل میں ہی حق
میں ہی سب کچھ ہوں مجھے ہے کیا قلق

عیش مجھ سا کس بشر کو ہے نصیب
میں ہی میں ہوں کون ہے میرا رقیب

میں ہوں دولت مند و عالی خانداں
برتری کا مجھ سے ہو کس کو گماں

اب کرونگا میں دکارِ فیض و خیر
جن سے شہرت آ کے چومے میری پیر

موج اڑاؤں گا رہونگا چین سے
زندگی کاٹوں گا زیب و زین سے

الغرض یہ سارے بیہودہ خیال
اُن کے ہیں جو اصل کے ہیں بدخصال

اُن کے دِل میں مختلف اوہام کے
بحرِ پُرطوفاں ہیں موجیں مارتے

اِسلئے یہ کافرِ عصیاں شعار
بنتے ہیں دوزخ کے کیڑے بار بار

کبر و جاہ و زر سے یہ باطن کے کور
بیکسوں پر اپنا دِکھلاتے ہیں زور

اپنی شہرت کے لئے یہ مکر سے
کام کرتے ہیں ریاض و زہد کے

وید کے احکام سے ہو کر خلاف
یگیہ کے مندر کا کرتے ہیں طواف

کبر و زور و شوق و نفس و جوش سے
رہتے ہیں شام و سحر مدہوش سے

قابلِ نفرت یہ انساں روز و شب
دیتے ہیں آزار مجھ کو بے سبب

کیونکہ میں ہر قلب میں ہوں جلوہ گر
اور یہ پہونچاتے ہیں سب کو ضرر

ایسے ظالم ایسے جابر خود پسند
بد چلن ، بد فعل، اہلِ مکر و فند

جتنے اس دنیا میں ہیں سب لا کلام
پاتے ہیں مر کر جہنم میں قیام

ایسے عصیاں کار لوگ ایسے رذیل
مدتوں جن کو ملا جسمِ ذلیل

پھر کبھی وہ مجھ کو پا سکتے نہیں
جہل سے آگے بڑھ سکتے نہیں

کم سے کم درجہ جو ہے پاتے ہیں وہ
پستیٔ ذلت میں گر جاتے ہیں وہ

شوق و طیش و حرص ہے اعالی نشاں
ہیں درِ دوزخ یہ تینوں بیگماں

ان کی محفل سے نکلنا چاہیئے
ان سے ہٹ کر دُور چلنا چاہیئے

تینوں دروازے جہنم زار کے
منہ ہیں یہ پُر خوف قعر و غار کے

جو بشر رہتا ہے ان سے ہوش میں
لُطف اُٹھاتا ہے مری آغوش میں

وید کے احکام کو جو چھوڑ کر
رشتۂ اخلاق و فطرت توڑ کر

پھرتا ہے آوارۂ دشتِ خیال　　کچھ نہیں افعال کا اُس کے مآل
ہو نہیں سکتا وہ دِل سے مستفید　　میرے جلوے اُس سے رہتے ہیں بعید
اِسلئے اے ارجنِ پاکیزہ خو　　فعل سب کرنے نہ کرنے کے ہیں جو
اُن کے حق میں شاستر جیسا کہے
ہر بشر ویسا کرے ویسا کہے

خداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے مردمانِ نیک و بد کے
حالات پر مشتمل مقدس گیتا کا جو سربسر علمِ الٰہی خلاصۂ
رموزِ معرفت اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب
ہے۔ اور جس کو پنڈت نظرؔ سوہانوی
نے اردو نظم کا لباس دیا ہے
سولھواں باب ختم
ہُوا

باب ہفدہم ۱۷

عرض کی ارجن نے ای صد لالہ زار — اے گلِ اندر گل، بہارِ اندر بہار

ایسا انساں جو عقیدتمند ہے — شغل و مشق و علم کا پابند ہے

لیکن احکامِ الٰہی کے خلاف — محو نیک اعمال ہے باقلبِ صاف

اُس کی فطرت کیا ہے اے عالیمقام — علم و شوق و جہل سے ہے کس کا رام

عرضِ ارجن پر ہوا ارشاد یوں — اے فدا کارِ حیاتِ پرسکوں

چونکہ ہیں موجود ہر انسان میں — علم و شوق و جہل کی خاصیتیں

اِس لئے سب کی عقیدت بھی یہاں — تین قسموں سے ہی جزوِ جسم و جاں

اپنی اپنی ذات کے زیرِ اثر — پُرعقیدت ہے وجودِ ہر بشر

جس میں جیسی ہے عقیدت روبکار — قابلیت پر ہے اُس کا انحصار

آدمی کی جیسی فطرت ہوتی ہے — ویسی ہی اس کی عقیدت ہوتی ہے

جنکی فطرت علم ہے اے نامدار
دیوتاؤں کے ہیں وہ طاعت گذار

رات دن جو شوق کا دم بھرتے ہیں
راکششوں پکیشوں کی پوجا کرتے ہیں

جہل سے دل جنکا ہو تیرہ و تار
ہوتے ہیں بھوتوں پہ پیتوں پہ نثار

جو بشر داب شریعت چھوڑ کر
علم کے اکرام سے منہ موڑ کر

کرتے ہیں ایسی ریاضت روز و شب
جو سراسر ہو پُر ایذا پُر تعب

وہ فسر بھی ہیں بڑے مکار ہیں
خواہشوں کے بس میں ہیں بے حیا ہیں

اُنکے دل عقل و خرد سے دور ہیں
کبر کے بدمست ہیں مغرور ہیں

جن عناصر سے ہے ترکیب بدن
کرتے ہیں اُن سب کو یہ کمزور تن

اور اِس قالب میں جو ہو ذات نور
دکھ اُسے بھی دیتے ہیں یہ بدشعور

یہ وہ بدخصلت بشر ہیں اے عزیز
نیک و بد میں کچھ نہیں جن کو تمیز

زہد و اعمال و غذا فیض و کرم
تین تین اقسام پہ ہیں منقسم

فرق ان سب کا جدا گانہ سنو
دست بے گل سے گل فطرت چنو

صاحبِ علم ایسی کھاتے ہیں غذا — جسم جس سے ہو مرض ناآشنا
عمر اور طاقت زیادہ جس سے ہو — رنج کم راحت زیادہ جس سے ہو
ایسی چیزیں ہیں انھیں مرغوب تر — جو مُرغّن ہوں مفرّح اور تر
جن سے قلب و روح خوش دائم رہیں — جو رطوبت جسم میں قائم رہیں
شوقِ فطرت ہیں جہاں میں جو بشر — اغذیہ کھاتے ہیں ایسی بیشتر
جو ہوں گرما گرم کھٹی چرپری — خشک کھاری اور نہ ہو جن میں تری
جن سے پیدا ہوں شکم میں گرمیاں — کم ہوں اعضائے بدن کی نرمیاں
جنکے دم سے جسم آزاری بڑھے — تندرستی کم ہو بیماری بڑھے
جہل کے بندے ہیں جو ناداں بشر — ان کو ہے ایسی خورش مرغوب تر
جو ہو بدبودار بالکل بد مزہ — جھوٹی باسی سربسر بے ذائقہ
جو خورش کے قابل و لائق نہ ہو — دور ہو جس سے صفائے رنگ و رو
وہ عمل جو خیر سے معمور ہوں — دید کے انوار سے پُر نور ہوں

فرض سے جنکی بنا ہے استوار — جن کی تکمیلوں میں ہے صبر و قرار
جنکا عامل ہے بغیر از آرزو — علم کا یہ شغل ہیں اے نیکخو
جو عمل اپنی بڑائی کے لیے — اپنی شہرت کی بھلائی کیلئے
خاص مطلب سے کیے جائیں یہاں — وہ ہیں جسم شوق کے روح رواں
وہ عمل جن میں نہیں دستِ سخا — شاستر کے برخلاف مدعا
جو کیے جائیں بغیر از حمد ذات — ہو عقیدت کی نہ جن میں کوئی بات
جہل کے عالم میں پاتے ہیں ظہور — اُن کے عامل ہیں سراسر بے شعور
دیوتا مرشد برہمن علم داں — اِن کی جو تعظیم کرتے ہیں یہاں
قلب و قالب جنکے ہیں صاف اور پاک — ہے تجرد میں جنھیں بس انہماک
رحم کے جذبے سے جو بھرپور ہیں — تجو ذات پاک ہیں مسرور ہیں
علم کے مالک ہیں وہ نیکو سیر — زہد ہے اُن کا یہی شام و سحر
زہد جسمانی اسی کا نام ہے۔ — پاک سامانی اسی کا نام ہے

خندہ پیشانی سے میٹھا بولنا
راست گفتاری کے گوہر رولنا

وہ سخن جس سے نہ ہو اوروں کو رنج
مصلحت آمیز ہو اے نکتہ سنج

یہ بھی ہے اک زُہد علمیت نشاں
نام ہے اس زُہد کا زہدِ زباں

دل کو رکھنا ہر گھڑی پُر از سرور
بیہدہ گوئی سے رہنا دُور دُور

بیوفائی نفس کے شیطان سے
پاکبازی دین سے ایمان سے

دن بسر کرنا سکون و صبر سے
خوش نہ ہونا ظلم و جور و جبر سے

راتدن پابندئی ضبط حواس
زُہد قلبی ہے یہی اے خود شناس

بیغرض اور سرِ عقیدت ہو کے جب
تین قسموں کے یہ زہد بے طلب

نیک اعمالی سے پاتے ہیں ظہور
تب اسے کہتے ہیں زہدِ پرسرور

جس کا مطلب ہو نمودِ عز و شاں
ہوں غرض کی جبیں نیک اعمالیاں

مکرِ شہرت جس کی پردہ دار ہو
خواہشِ دنیا کو جس میں بار ہو

پھر دُنیا ہے یہ زہد اے پُر شعور
شوق کے غلبے سے پاتا ہے ظہور

اور جس میں ضد ہو کبر و ناز ہو
سخت تکلیفیں ہوں اپنے آپ کو

جس کا مقصد ہو فقط ایذا دہی
جس کا مطلب ہو برائی غیر کی

جاہلوں کا زہد اے ارجن ہے یہ
جہل کا وابستۂ دامن ہے یہ

جائے موزوں پر مناسب وقت پہ
بیغرض اور فرض اپنا جان کر

مستحق انسان کو بے امتحان
جو بشر خیرات کرتا ہے یہاں

وہ بشر بیشک ہے وقفِ ذاتِ علم
اسکی یہ خیرات ہے خیراتِ علم

اپنی عزّ و شان دکھانے کیلئے
یا کوئی بدلہ چکانے کے لئے

آرزو پہ یا کسی امید پہ
رنج و غم سے بخل کے زیرِ اثر

جو بشر خیرات میں لیتا ہے ذوق
اس کی ہر خیرات ہے خیراتِ شوق

اور وہ خیرات جو بے وقت ہو
چھوڑ کر ملکی رواج و رسم کو

اک اہانت سے غضب میں طیش میں
بد عمل بدکار انسانوں کو دیں

ایسی بخشش جہل کی خیرات ہے
اس کا جو عامل ہے وہ بدذات ہے،

اوم تت ست تین لفظِ پاک تر — ہیں یہ اسم جلوہ بخشِ جلوہ گر
ان سے ہی نکلے ہیں اے شمشیر زن — یگیہ چاروں وید تینوں برہمن
برہمن ہیں شوقِ علم اور علم وید — یگیہ ہیں اعمال کی فطرت کا بھید
اسلئے سب عارفانِ زندہ دل — علم سے ہیں پاک جن کی آب و گل
زہد و خیرات و عمل کرتے ہیں جب — نیکیوں سے قلب کو بھرتے ہیں جب
اوم کہہ کر ابتدائے کار ہیں — محو ہوتے ہیں مرے اسرار ہیں
جنکو ہے فکرِ نجاتِ جاوداں — وہ بشر وہ پاک فطرت پاک جاں
زہد و خیرات و عمل سے برملا — کرتے ہیں جس کام کی بھی ابتدا
بیغرض اک تت کی قرأت کرتے ہیں — مجھ میں مل جانے کی ہمت کرتے ہیں
نیکیاں جن میں ہیں وہ فعل و عمل — جن سے رہتا ہے کھلا دل کا عمل
سربسر پاکیزگی کا ہیں سبب — لفظ ست سے پاتے ہیں آغاز سب
زہد و خیرات و عمل ہیں سربسر — ہے جو یہ دلبستگی اے خوش نظر

اور اس وابستگی سے جو عمل
پاتے ہیں انجام بخوف و خلل

نام ان سب کا ہے ست دہر میں
ہیں یہی اسباب راحت دہر میں

بے عقیدت فعل ہیں جتنے یہاں
زہد و خیر و عشقِ خلاقِ جہاں

سب اَست کے نام سے موسوم ہیں
انکے عامل کو نہیں ملتا ہوں میں

اے دلاور یہ عمل بیکار ہیں
بلکہ اُلٹا باعثِ آزار ہیں

ان سے دُنیا اور عقبیٰ ہیں کہیں
خوش نہیں ہوتا دلِ اندوہگیں

خداوند مطلق اور ارجن کے مکالمات سے عقیدت کے تین اقسام
پر مشتمل مقدس گیتا کا جو سربسر علم الٰہی خلاصہ رموز معرفت
اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے اور جسے
پنڈت لُغلر سوہانوی نے اردو نظم
کا لباس دیا ہے ٭
سترھواں باب
ختم ہوا

باب ہشدہم

عرض کی ارجن نے ای جانِ جہاں
باعثِ ہر آشکار و نہاں

ترک کیا ہے اور تیاگ ترک کیا
ان کی اصلیت بیاں کیجے ذرا

ارجنِ حق بیں کا سنکر یہ سوال
یوں درافشاں ہیں خدائے ذوالجلال

ایسے عالم جنکا تارک نام ہے
ہر عمل کا ترک ان کا کام ہے

فاعلیّت سے الگ رہتے ہیں وہ
ترک اسی کا نام ہے کہتے ہیں وہ

اور جو ہیں سالکانِ پُر خرد
جنکی منزل ہے حیاتِ بے اند

وہ یہ کہتے ہیں جہانِ کار میں
زندگی ہے فعل کی تکرار میں

جس عمل میں اجر کی خواہش نہ ہو
ترک کہتے ہیں بس ایسے ترک کو

کچھ بشر ایسے ہیں جنکا ہے خیال
فعل کی فطرت ہے عصیاں کا وبال

اس لئے کچھ بھی نہ کرنا چاہیئے
ترک ہر فعل و عمل کا چاہیے

اور کچھ ایسے بھی عالم ہیں یہاں
فرض ادا کرتے ہیں اپنا ہر زماں

وہ یہ کہتے ہیں کہ زہد و فیض و خیر
فرض ہیں سب پر وہ اپنا ہو کہ غیر

لیکن اے ارجن مرا علم و یقیں
مانتا جس ترک کو ہے بہتریں

اُسکا سب کرو بیاں مجھ سے سُنو
ترک کی کُل داستاں مجھ سے سُنو

ترک کہتے ہیں جسے اے میر کیاں
منقسم ہے تین قسموں پر یہاں

ترک ہے جو زہد و فیض و خیر کا
وہ ہے بالکل پر خطا و ناروا

کیونکہ نیک اعمال سے برروئے خاک
عالموں کا قلب بھی ہوتا ہے پاک

اسلئے بے خواہش و بے آرزو
فرض ہیں یہ فعل سب پر ہیں کہ تو

ہے یہی میرے تصوّر میں صحیح
بے عمل انسان ہے مردِ قبیح

فرض ہیں جو فعل اُن سے بے رُخی
سر بسر ہے علم سے نا محرمی

اُلفتِ دنیا کے باعث جو بشر
فرض سے رہتا ہے اپنے دُور تر

سر بسر جاہل ہے وہ لا درک ہے
جہل پر مبنی یہ اُس کا ترک ہے

ترک پر مائل ہے جو اس خوف سے
جسم کو آزار پہنچے گا مرے

خانہ زادِ شوق ہے وہ کم نظر
ترک ہے اسکا یہ بے اجر و ثمر

فرض کرتا ہے ادا جو نیک خو
بیغرض بے خواہش و بے آرزو

درحقیقت ہے وہی تارک یہاں
ترک ہے افضل یہ اُسکا بے گماں

جو ہے یکساں ایک سے ہر حال میں
شوق و نفرت نیک و بد افعال میں

ایسا تارک ہوتا ہے بے شبہ و ظن
صابر و تسکین یاب و پاک تن

قالبِ خاکی ملا جس کو یہاں
فعل سے عہدہ برآ وہ ہو کہاں

یہ ہے اس دنیا میں ناممکن سی بات
فعل سے عاری بشر پائے حیات

اِسلیئے جو پاک دِل پاکیزہ خو
فرض کرتا ہے ادا بے آرزو

سربسر ہے صاحبِ علم و سرور
ثمرۂ افعالِ نیک و بد سے دُور

اِس جہانِ غم میں تارک ہے وہی
ہے اِسی پر ختم بس حق آگہی

فعل کے تین اجر ہیں بے ردّ و کد
وصلِ فعلِ نیک و بد اور نیک و بد

جو فدا ہیں ثمرۂ افعال پر — بعدِ مُردن اُن کا حق ہیں یہ ثمر
تارکوں کے واسطے لیکن نہیں — ثمرۂ افعال کی دنیا کہیں
اسلئے مرکر وہ پاتے ہیں نجات — بھول جاتے ہیں غمِ موت و حیات
فعل سب انجام پاتے ہیں یہاں — پانچ اسبابِ بیاں سے ناگہاں
سانکھ میں جنکا بیاں ہے سربسر — وہ بھی سن لو مجھ سے تم اے خوش نظر
ظرف و فاعل اختلافِ خواہشات — مختلف طرزِ عمل احکامِ ذات
آدمی جسم و زبان و قلب سے — فعل نیک و بد سے جو کچھ بھی کرے
پانچ باعث اُسکے ہوتے ہیں یہی — ہر عمل کا تخم بوتے ہیں - یہی
ایسا ہونے پر بھی گر کوئی بشر — عقلِ جہل آمیز کے زیرِ اثر
صرف اپنے آپ کو فاعل کہے — اِس خودی سے رات دن بیخود رہے
عقل کا دشمن ہے وہ ناپاک دل — جہل پرور وہ ہیں اُسکے آب و گل
قلب جس کا کبر سے ہے دور تر — عقل ہے جس کی ضیا بخشِ نظر

بالیقیں وہ فعل کا فاعل نہیں — قائلِ عالم بھی ہو قاتل نہیں
فعل کا اُس پر اثر کچھ بھی نہیں — کچھ کرے اسکو خطر کچھ بھی نہیں
عامل و علم و عمل ہیں روز و شب — فعل کے چہرے کی رونق کا سبب
فعل و فاعل اور لذت فعل کی — ہے انہی تینوں سے کثرت فعل کی
فعل و فاعل اور علمِ حق نواز — تین تین اقسام سے ہیں سرفراز
علمِ ایسا جسکو پاکر ہمزماں — کثرتوں میں ایک جلوہ ہو عیاں
علم ہے وہ علمِ حق اے نیک فال — موجبِ صدر اسنیٰ و حال و قال
علمِ ایسا جس سے ہو نزدیک و دور — کثرتوں میں روح و قالب کا ظہور
مختلف اجسام میں آئین نظر — مختلف ارواح کے رنگِ اثر
یعنی ہو کثرت ہی کثرت ہر طرف — دل سے ہوں انوارِ وحدت برطرف
علم ہے بیقیدا ر شوق کا — ذوق ہے یہ جاں نثارِ شوق کا
علم ایسا جس سے سلب انوار ہیں — ایک شے میں اثبات کا کرنا یقیں

کُل کی ماہئیت سے ہو کر بے خبر ۔۔۔ جزو ہی میں محو رہنا سر بسر

عقلِ مضطر کا ہے یہ ذوقِ زبوں ۔۔۔ جہل ایسے علم کا ہے رہنموں

فعل ایسے جن کا ہو آغازِ کار ۔۔۔ فرض کی تکمیل پر اے نامدار

جنکا دامن آرزو سے ہو تہی ۔۔۔ بیغرض از کاوشِ امر و نہی

شوق و نفرت کی نہوں جنمیں صفات ۔۔۔ جنکا فاعل ہو رہینِ وصلِ ذات

علم کے عالم میں پاتے ہیں ظہور ۔۔۔ نام ان فعلوں کا ہے افعالِ نور

فعل ایسے جن کے اندر ہوں نہاں ۔۔۔ خواہشوں کا آرزوؤں کا جہاں

کبر سے ہو جنکے گلشن کی بہار ۔۔۔ جوش سے ہو جنکا دامن لالہ زار

شوق کے عالم میں پاتے ہیں ظہور ۔۔۔ نام ان فعلوں کا ہے فعلِ غرور

فعل ایسے دخل جنمیں عقل کو ۔۔۔ کچھ نہ ہو اے نامور بالکل نہ ہو

جنسے ہو تخریب کا دامن دراز ۔۔۔ مدعا ہو جنکا ذوق و حرص و آز

نیک و بد انجام سے ہوں بے خبر ۔۔۔ جنکی تکمیلوں میں ہو ایذا و شر

جسکا فاعل اپنی طاقت کا خیال
چھوڑ کر ہو صرفِ کارِ پُر وبال

جہل کے غلبے سے پاتے ہیں ظہور
ہیں یہ فعلِ جہل و فعلِ پُر فتور

ایسا فاعل جس کے عقل و ہوش و دل
نفس کے دم سے نہیں ہیں مضمحل

کبر جس کی ذات سے پامال ہے
بے نیازِ ثمرۂ افعال ہے

صبر و استقلال جسکے دل میں ہو
حوصلہ جس کے رہِ منزل میں ہے

کامیابی پر جو خوش ہوتا نہیں
نامرادی پر کبھی روتا نہیں

جس کی دنیا ہے سراسر پُر سرور
شوق و نفرت شہرت و ذلت سے دُور

وہ ہے بیشک فاعل فطرت شناس
علم کے جلوے ہیں اسکے آس پاس

ایسا فاعل نفس کا ہو جو غلام
خواہشوں کے گھر میں ہو جسکا قیام

آرزو و ہو جس کا ہر تارِ ردا
ثمرۂ افعال پر دل سے فدا

رحم سے بیگانہ ہو جس کا مزاج
قلب کا ناپاک پُر از احتیاج

جس کا دل ہو حرصِ دنیا کا فقیر
عشرت و تکلیف کا فرماں پذیر

وہ بشر ہے فاعلِ دنیا شناس   شوق کے جذبے ہیں اسکے آس پاس

ایسا فاعل جسکا دل ہے بیقرار   جس کا دامن کبر سے ہے داغدار

جسکا قالب راحتوں کے بس میں ہو   عقل ہر دم جسکی پیش و پس میں ہو

جسکا دل ہے تاجِ مکر و فریب   ہر گھڑی ایذا رسی ہو جسکا زیب

غافل و صد مضطر و ناشاد دل   بندۂ اوہام خانہ زاد دل

وہ ہے بیشک فاعلِ حق ناشناس   جہل کی ظلمت ہے اُسکے آس پاس

عقل و استقلال بھی اے خوش عمل   تین تین اقسام پہ ہیں مشتمل

ذکر ان کا بھی مفصل اب سنو   دستِ بے گل سے گلِ فطرت چنو

وہ خرد ظاہر ہو جس سے رازِ ذات   بندہ غم کیا چیز ہے کیا ہے نجات

خوف و بیخوفی کی سب اصلیتیں   فعل و ترکِ فعل کی ماہیتیں

کارِ نیک و بد میں ہے تمیز کیا   ہے اوامر و نواہی چیز کیا ؟

وہ خرد ہے علم سے جلوہ فروز   چاکِ تسلیم و رضا کی بخیہ دوز

عقل ایسی جو ہے بالکل ذی تمیز — راستی نا راستی میں اے عزیز

حق و باطل کی نہیں جو خوشہ چیں — کارِ نیک و بد سے جو واقف نہیں

عقل ہے وہ شوق کے آغوش میں — مست ہو افعالِ طیش و جوش میں

وہ خرد جو نیک کو بد مان لے — جاں نثارِ رسم کو دو مان لے

حق ہو جسکی آنکھ میں باطل وجود — اِتنی اُلٹی ہو وہ جس کو نمود

وہ خرد ہے جہل سے تاریک تر — دائم رنجِ قہقری سے ہے سر بسر

ایسا استقلالِ دل جس سے بشر — قدرتیں پا کر حواس و نفس پر

شغلِ علمِ حق سے ہو مصروفِ ذات — جذب سے ہلنے نہ دے پائے ثبات

علم کی رحمت وہ استقلال ہو — علم کی دولت سے مالا مال ہے

ایسا استقلال جس کا ہو سبب — فکرِ عیش و عشرتِ دنیا طلب

جسکا عاملِ دین و دنیا پر ہوست — ایسا استقلال سے دنیا پرست

وہ ارادہ جس سے نادان خرد — شغلِ نادانی میں ہو بے ردّ و کد

جسکے باعث ہو لیسے یکدم ہوش دُور | نفرت و خوف و حسد کبر و غرور
ایسا استقلال ہی جہل آفریں ، | جہل پر ہے اُسکی بُنیاد یقیں
اب سُنو اے ارجن خوش داستاں | راحتِ دُنیا کی تشریح و بیاں
ایسی راحت شغل جسکا شوق ہو | علم ربّانی سے مستِ ذوق ہو
جس سے مٹ جائیں غم و رنجِ جہاں | جاں تر و تازہ ہو دل ہو شادماں
اوّل اوّل زہر کا ساغر جو ہو | سر بسر آبِ حیات آخر کو ہو
عقل جس سے ہو غلام ذاتِ پاک | بقعۂ انوار ہو یہ مشتِ خاک
علم کی راحت ہو یہ ایجانِ من ! | علم کے جلوؤں سے ہی جلوہ فگن
ایسی راحت جسمیں ہوں نفس و حواس | مائل لذّاتِ افعال و قیاس
جس کا اول ہو دمِ آبِ حیات | جسکا آخر زہر ہو اے خوش صفات
شوق کے عالم میں پاتی ہے ظہور | ایسی راحت سے نہیں ملتا سرور
ایسی راحت جو از اول تا اخیر | وہم سے بھر دے دل و عقل و ضمیر

خوابِ غفلت جس کی پردہ دار ہو — جس کا جاں دادہ ذلیل و خوار ہو
جس کا دامن ہو غمِ عشرت سے پُر — وہم کی پیدا شدہ لذت سے پُر
ایسی راحت ہے جہاں میں بس بتر — ظلمتوں سے جہل کی تاریک تر
اس جہاں میں اس جہانِ تار ہیں — نوریوں کے عالمِ انوار ہیں
کوئی نغمہ کوئی ایسی نہیں — کوئی ہستی کوئی شے ایسی نہیں
جس کا حسن و رنگ اے مردِ جری — ان صفاتِ مادہ سے ہو بری
شودر و ویش و چھتری و برہمن — عالمِ انساں کے یہ چاروں ورن
ان صفاتِ مختلف کی جان ہیں — فرق ورنہ کیا ہے سب انسان ہیں
نیک و بد افعال کا ہے اختلاف — روح سب اجسام میں ہے پاک صاف
ضبطِ قلب و ضبطِ نفسِ ناشناس — ضبطِ رفتارِ نفس ضبطِ حواس
زہد جسمانی صفائے باطنی — سادہ کاری انکساری راستی
شغلِ علمِ ذات و شغلِ علمِ حق — بعدِ شوق و نفرت و رنج و قلق

بہرِ وصلِ حق ریاضت کاریاں ۔۔۔ یار کی اغیار کی دلداریاں
ماننا برحق خدائے پاک کو ۔۔۔ جاننا اسرارِ آتشناک کو
جوہرِ فطرت سے یہ طرز و طریق ۔۔۔ برہمن کی زندگی کے ہیں رفیق
تولنا میدان میں تیغ و تبر ۔۔۔ بجلیوں کی چھاؤں میں پھرنا نڈر
رعب و استقلال و خیرات و کرم ۔۔۔ حکمرانی حفظِ اور ننگ و علم
عدل و انصاف و رعایا پروری ۔۔۔ لطف نیکی پر ستم پہ بربری
جوہرِ فطرت سے یہ طور و طریق ۔۔۔ چھتری کی زندگی کے ہیں رفیق
مالداری کشتکاری تاجری ۔۔۔ حفظِ نسلِ گاؤ گلہ پروری
مال کی داد و ستد از بہرِ سود ۔۔۔ ویش کی فطرت ہے اے پاکیزہ وجود
اور اسی فطرت کا ہو کر جاں نثار ۔۔۔ شودر ہے ہر ایک کا خدمت گذار
اپنے اپنے فرض کی تکمیل سے ۔۔۔ ہر بشر لیتا ہے لطف انجام کی
ارتقا کی منزلیں کرتا ہے طے ۔۔۔ اوپر اٹھتا ہے مسلسل پے بہ پے

فرض کی تکمیل سے کیونکہ بشر
ہے بخیر انجام سن اے شیر نر

آفرینش کا سبب ہے جس کی ذات
ہر جگہ ہر سمت ہی جو پُر ثبات

اُس کی طاعت ہی ترقی کا سبب
کاملیت کی تجلی کا سبب

لیکن ایسی بندگی ہے جب درست
ہو ادائے فرض میں انسان چست

یاد رکھ اپنے ادائے فرض میں
ہوں اگرچہ لاکھ حائل مشکلیں

پھر بھی اپنا فرض ہی بے آن و ایں
دوسروں کے فرض سے بہتر کہیں

اپنی فطرت کے مطابق جو بشر
کام میں مصروف ہے شام و سحر

اُسکا دامن داغ عصیاں سے ہے پاک
وہ کبھی ہوتا نہیں اندوہناک

اپنی فطرت کے ادائے فرض میں
سینکڑوں غم ہوں ہزاروں کلفتیں

پھر بھی اُس سے انحراف اچھا نہیں
دوسروں کا راہِ صاف اچھا نہیں

کیونکہ سب افعال نقص و سود سے
یوں گھرے ہیں جیسے آتش دود سے

عقل جس کی بجنود دنیا نہیں
دُور عشقِ ماسوا سے ہی کہیں

جسکو دُنیا سے نہیں کچھ انہماک
جس کا دِل قابو میں جس کا نفس پاک

وہ بشر وہ پاک دل وہ پاک جان
مجھ میں پاتا ہے نجاتِ جاوداں

ایسے پاکیزہ بشر صاحب شعور
مشکلوں پر ہو گیا جنکو عبور

کِس طرح پاتے ہیں ہستی سے زوال
مختصر کہتا ہوں تجھ سے اِسکا حال

عقلِ یکساں ہیں سبھی جو بنیاد سیر
دل کو لائے ذات کے زیرِ اثر

نفس جس کا لذتوں سے دُور ہے
پُر سکوں ہے جس کا دِل مسرور ہے

شوق و نفرت کا جو دِلدادہ نہیں
کوچۂ لذّت کا افتادہ نہیں

ہر گھڑی ہے جسکو تنہائی پسند
میرے در کی ناصیہ سائی پسند

وقت کے تابع ہیں جسکے ماہ و سال
خواب و خور میں ہی رہینِ اعتدال

محویت میں جو ہمیشہ مست ہے
چشم و قلب و لب پہ بالا دست ہی

تارکِ دنیا ہے دروں ہی جسکا دِل
نفس کے پیچھے نہیں جو مضمحل

طیش و مکر و شہوت و کبر و غرور
ہیں رہِ منزل سے جسکی دُور دور

وہ سکوں یابِ دلِ نفس و خرد   مر کے پاتا ہے حیاتِ بے ابد
قدرتِ ظاہر پہ قدرت ہو اُسے   مجھ میں آ ملنے کی طاقت ہو اسے
جس بشر کو وصل ہے میرا نصیب   ایک ہیں اُسکے لیے تخت و صلیب
وہ کبھی کرتا نہیں رنج و الم   جادۂ دل پر نہیں رکھتا قدم
اُس کی نظروں میں برابر ہیں تمام   حاسد و محسود ظالم نیک نام
اِس طرح کی زندگی سے وہ بشر   دیدۂ دل سے جو ہے جلوہ نگر
جان لیتا ہے مرا رازِ دروں   میں کہاں سے ہوں کہاں تک کون ہوں
میری اصلیت سے ہو کر باخبر   مجھ میں آ ملتا ہے بے دامانِ تر
میرے دم پہ میرا دم بھرتا ہوا   کاروبارِ زندگی کرتا ہوا
ثمرۂ افعال سے رہتا ہے دور   میری رحمت سے ہے ہر دم پُر سرور
اِسلیئے اے ارجنِ اسرار بیں   ایک میری ذات پر لا کر یقیں
اپنے سب فعل و عمل شوق و خیال   مجھ کو دو نذرِ ادب کے قیل و قال

میرے دل کو سونپ دو تم اپنا دل
تاکہ ہو دامانِ گُل دامانِ گل

اپنا سب کچھ نذر کردو تم جو یوں
پار کر جاؤ گے یہ بحرِ زبوں

اور اگر میرے رہِ تلقین پر
تم نہ ہوگے گامزن از کبر و شر

پستیوں کے غار میں گر جاؤ گے
معصیت کی نار میں گر جاؤ گے

کبر کی گمراہیوں سے تُم اگر
مستعد ہوتے نہیں ہو جنگ پر

لغو ہے بالکل تمہارا یہ خیال
بیٹھ رہو جنگ سے تم کیا مجال

کیونکہ جس فطرت کے تم زیرِ اثر
دہر میں پیدا ہوئے اے نامور

وہ تمہاری فطرتِ اوّل تمہیں
جبر سے شامل کرے گی جنگ میں

اے دلاور تم ہو بے ریو ریا
فطرتِ افعال سے رشتہ بپا

بھائی بندوں کی محبت کے سبب
جن سے تم بیزار ہو وہ فعل سب

بےبسی میں پائینگے شکلِ ظہور
خود انھیں انجام دوگے تُم ضرور

وہ خدائے برتر و پاک و رحیم
جو تمہارے سب کے دل میں ہے مقیم

دَور قدرت کا چلاتا رہتا ہے
چرخ پر سب کو گھماتا رہتا ہے

تُم کو لازم ہے اُسی کی ذات کا
صِدق دِل سے ہر گھڑی لو آسرا

اُسکی رحمت سے اُسی کے فضل سے
بندِ غم سے تم رہائی پاؤ گے

ہو رہو گے مست تسکینِ نجات
کالعدم ہوگا دمِ موت و حیات

یہ جو پوشیدہ ہے پوشیدہ تھا راز
کر چکا تُم سے بیاں اے دِل نواز

اب تمہاری جو رضا ہو وہ کرو
سلطنت پاؤ کہ ذلت سے مرو

اب میں تم سے ایک سرِ صد نہاں
پھر سے کہتا ہوں سُنو از گوشِ جاں

کیونکہ تم ہو میرے دِلدار و عزیز
ماسوا تم کو نہیں ہے کوئی چیز

محو کردو مجھ میں اپنی ذات کو
اپنا دِل میری نظر کو نذر دو

دست بستہ عزّت و تکریم سے
میرے قدموں میں گرو تعظیم سے

میرے در پہ ناصیہ سائی کرو
اِلتجائے جلوہ فرمائی کرو

اے عزیز و یارِ من اے خویشِ من
صِدق دِل سے سر جھکاؤ پیشِ من

عشق سے میرے پرستش گر بنو
سجدہ ریز روح و قلب و سر بنو

پھر مجھی کو پاؤ گے تم بالیقیں
عہد میرا ٹوٹنے والا نہیں

ذات کے جلووں سے ہو جاؤ گے مست
تم سے ہی میرا یہ عہد بے شکست

چھوڑ کر سارے خیال نیک و بد
یہ دعا مانگو الٰہی المدد

پھر میں اپنا سا بنا لوں گا تمہیں
سب گناہوں سے بچا لوں گا تمہیں

یہ سب اسرارِ خفی اے جانِ جاں
میں نے خوش ہو کر کیے ہیں سب بیاں

ایسے انساں سے نہ کہنا زینہار
جو نہ ہو دل سے مرا طاعت گذار

ذاتِ حق کے ماننے والا نہ ہو
یا مجھے پہچاننے والا نہ ہو

یاد کرتا ہو بُرائی سے مجھے
کچھ نہ سمجھے خود نمائی سے مجھے

یا مری تلقین کا شیدا نہ ہو
یا جسے ارمان سننے کا نہ ہو

آنکہ خواہد کرد غیر از مدعا
روز و شب تبلیغ ارشادِ مرا

وہ بشر بھی پائے گا غم سے نجات
میری منزل میں ہمیشہ کی حیات

عالمِ انساں ہیں میرے نام پر
کام جو بھی کر سکیں اہلِ نظر

ایسے سب افعال سے یہ کارِ حق
افضل و برتر ہے اے دلدارِ حق

اُس بشر سے کون ہے پیارا مرا
اُس کا میں شیدا ہوں وہ شیدا مرا

کوئی انساں بہرِ ندرم بالیقیں
اِس سے بہتر کام کر سکتا نہیں

اِس میں میری ذات کی تبلیغ ہے
ذکرِ حق - حق بات کی تبلیغ ہے

بحث و تحیصے کہ از ما و شما
بر زباں آمد زانوارِ ہدے

اِس کو جو انساں پڑھیگا غور سے
خوش رہیگا دہر میں ہر طور سے

میں یہ سمجھوں گا کہ از علم و عمل
اُس نے کی میری پرستش بے خلل

جو عقیدت مند عقل نقص بیں
چھوڑ کر اس کو سُنے اے ہمنشیں

بندِ غم سے پائے گا وہ بھی نجات
نوریوں میں مل کے ہوگا محوِ ذات

اے دلیر تیغ زن اے صف شکن
اے دلِ من از جانِ من جانِ من

علمِ حق میں نے کیا ہے جو بیاں
کیا اسے تم نے سُنا از گوشِ جاں

کٹ گیا ہے دل سے کیا ای نیک فال — وہم سے پیدا شدہ الفت کا جال
عرض کی ارجن نے اے جانِ جہاں — محفل آرائے زمین و آسماں
دل میں اب وہ الفتِ باطل نہیں — اب مرے پہلو میں پہلا دل نہیں
آپ کی رحمت سے اے بندہ نواز — فیض کا مجھ پر کھلا پوشیدہ راز
ہوش میں ہوں شک سے بالاتر ہوں میں — صاحبِ دل صاحبِ افسر ہوں میں
آپ جو ارشاد فرمائینگے اب — میں اسے انجام دونگا با ادب
اُس طرف سنجے نے راجہ سے کہا — اے کہ تیرے دیدۂ باطن ہیں وا
بحث کرشن و ارجنِ فرخندہ فال — نیکیاں ہیں جسکا انجام و مآل
جسکے ہر ہر لفظ میں ہیں ندرتیں — جس میں شامل ہیں خدا کی قدرتیں
جس سے استادہ ہیں اب تک موئے تن — خوف و حیرت سر پہ ہیں سایہ فگن
ذاتِ مطلق کی زبانِ پاک سے — بیاس جی کے فیضِ جانِ پاک سے
میں نے یہ اسرارِ پُر انوارِ ذات — اپنے کانوں سے سنے ای خوش صفات

فرض پر مبنی یہ ذکرِ نور و نار | یاد کر کے ہوتا ہوں خوش بار بار
اور وہ حسنِ جہاں آرائے جاں | نادر و نایاب تھا جو بے گماں
جس کا اک جلوہ ہے مہرِ دہر تاب | جس کی قدرت بے شمار و بے حساب
چوں بچشمِ من شود جلوہ فشاں | مے شوم پُر حیرت و دل شادماں
یہ عقیدہ ہے مرا اے خوش لقب | ہو جہاں ارجن جہاں وہ پاک رب

جمع ہوں گے اُس زمیں پر لا کلام
فتح و استقلال و عیش و زر تمام

خداوندِ مطلق اور ارجن کے مکالمات سے موکش سنیاس یوگ پر
مشتمل مقدس گیتا کا جو سرِ علمِ الٰہی خلاصہ رموزِ معرفت
اور مکمل حقانی علوم کی الہامی کتاب ہے اور جسے
پنڈت نظر سوہانوی نے اُردو نظم کا
لباس پہنایا۔ اٹھارواں
باب ختم ہوا

اعتراف

اپنے عزیز شاگرد لالہ سادھو رام آسود
سوہانوی کی قلمی امداد کا جو
آں عزیز نے ترجمہ گیتا کے
دوران میں کی۔ دلی محبت سے
اعتراف کرتا ہوں ۔

نظر سوہانوی

بلاک میکر نے میری تصویر کے شعر میں گناہ گار کی بجائے گنہگار کر دیا ہے۔
نظر

شُکریہ

سانورے موُلا کی ذاتِ پاک کے اِنتہائی عقیدت کیش
شری راجہ برج نارائن راؤ والئے ریاست پڈرونہ
ضلع گورکھ پور کا شکریہ بجالانا ناظر کے لئے اُتنا ہی
ضروری ہے۔ جِتنا راجہ صاحب موصوف کی ذات پر
خداوندِ مُطلق کا شُکر گذار ہونا۔ کاش میری
دِلی دُعائیں موصوف کی نوازشات کے پلّے میں برابر
تُل سکیں ؎

دُعاگو
منظر سوہانوی

شعلۂ زار

جناب نظر کی قومی، مذہبی اور وطنی نظموں کا ایسا دلکش اور حیات افروز مجموعہ ہے کہ جس کا ہر شعر مُردہ قالبوں میں جان ڈالنے کا اثر رکھتا ہے یقین مانیئے کہ اس کتاب کی خرید پر آپ کبھی پشیمان نہ ہونگے۔

بقول پنڈت مدن موہن مالویہ"

یہ کتاب ہر ایک ہندو کے ہاتھ میں ہونی چاہیئے

حجم دو سو صفحہ قیمت ایک روپیہ

ملنے کا پتہ

پنڈت نظر سوہانوی مقام سوہانہ

ضلع انبالہ

آخری درج شدہ تاریخ پر یہ کتاب مستعار
لی گئی تھی مقررہ مدت سے زیادہ رکھنے کی
صورت میں ایک آنہ یومیہ دیرانہ لیا جائے گا۔